دسمبر ۲۰۱۶ | جلد ۲ | شمارہ نمبر ۹ | December-2016

مجلس ادارت

- ڈاکٹر سجاد عالم رضوی کلکتہ
- ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ممبئی
- مولانا کوثر امام قادری
- ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ
- ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی دہلی

مدیر اعلیٰ

مولانا فیضان المصطفےٰ قادری

مدیر :	طارق انور مصباحی
معاون مدیر :	ازہار احمد امجدی ازہری
پبلیشر :	محمد قاسم مصباحی قادری
آفس انچارج :	نور مصطفیٰ
ڈیزائنر :	فیضی گرافک

مجلس مشاورت

- مفتی قمر الحسن بستوی امریکہ
- ڈاکٹر غلام زرقانی قادری
- مولانا نظام الدین مصباحی بولٹن
- ڈاکٹر شفیق اجمل بنارس
- مولانا محمد فاضل مصباحی سنبھل
- مفتی وفاء المصطفیٰ امجدی

ایک شمارہ کی قیمت 15 روپے، سالانہ زر تعاون 150 روپے، بیرون ممالک کے لئے 40 ڈالر، خلیجی

PAIGHAM E SHARIAT
Monthly
House No. 442, 2nd Floor, Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-110006
Mob: 9911062519, 011-23260749
Email: paighamesshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name: Paighameshariat
A/c. No. 6409744750, IFSC Code IDIB000J033

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی
مکہ پبلیشر دہلی
گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ ۶
آفس کا فون نمبر: Ph: 011-23260749, Mob: 9911062519

فہرست مضامین

:نوٹ:

اداریہ

از: فیضان المصطفیٰ قادری

۱۲؍ربیع الاول شریف کی صبح مرکز کائنات مکہ مکرمہ کے افق پر وہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا جس کا انتظار صدیوں سے کیا جا رہا تھا۔ جس کی آمد کی بشارت ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں دی، اور ہر کتاب نے جس کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا۔ خاتم نبوت کی جلوی گری ہوئی تو کائنات کا نصیبہ جاگ اٹھا، فرشِ گیتی کا مقدر سنور گیا۔ تہذیبِ نو نے کروٹ لی، تمدن انگڑائیاں لینے لگا۔ اب تک اللہ کے گھر کو قریش نے اپنی جاگیر بنا رکھا تھا، آنے والا اب ساری کائنات کے لیے اسے دارالامان اور توجہات کا مرکز بنا دے گا۔ وہاں سے اخوت و مساوات کا جو نور پھوٹے گا' اس کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلے گی، سبھی اس کے جلووں کی خیرات لوٹیں گے۔ جس گھر کو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بڑی غربت کے عالم میں تعمیر کیا تھا اور کوہِ بوقبیس پر صدا بلند کی تھی کہ آؤ، اس گھر کو آؤ! ۔ اب انھیں کا دلار تشریف لایا، جو ساری کائنات سے صدائے براہیمی پر لبیک کہلوائے گا۔

ان کی آمد سے پہلے پورے عرب میں جہالت کی تیرگی تھی، سارا کمال شعر و شاعری کے تخیلات اور قافیہ پیمائی تک محدود تھا، زبان دانی کا نشہ اور شاعری کا خمار ایسا تھا کہ باقی دنیا کو عجمی اور بے زبان کہا جاتا تھا۔ لوٹ مار کا کلچر، اور خاک و خون کی تہذیب شباب پر تھی، مذہبی شعور خود ساختہ بتوں کی پرستش سے آگے سوچنے نہ دیتا تھا۔ سیاسی شعور اپنے قبیلے کی اندھی اور جذباتی حمایت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کی دنیا بطن وادی تک محدود تھی۔ وسیع و عریض دنیا سے غافل قوم آپس ہی میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسی تھی۔ خوگر ظلم جب کسی مظلوم و مجبور کی آہ سنتا تو اسے لطف آتا تھا۔ راستوں پر لٹیروں کا قبضہ تھا، تلوار کا کلچر کسی کو تنہا سفر کرنے کی ہمت نہ دیتا۔ جب کہیں جاتے تو قافلہ بنا کر اور اسلحوں سے لیس ہو کر جاتے۔ غلطی سے اگر کوئی ڈاکو ان پر حملہ کرنے کی جرأت کرتا تو اسی دم میدان کارزار گرم ہو جاتا۔ اور دونوں طرف سے چند لاشیں تڑپ تڑپ کر ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتیں۔ جسے خونریزی پسند نہ ہو اسے بزدلی کا طعنہ دیا جاتا۔ اور مردانگی کا معیار تلوار اور خون قرار پایا۔ لوگ بستر مرگ پر موت کو ''حتفِ انف'' کہہ کر اسے باعث ننگ و عار قرار دے چکے تھے۔ یہ بھی کیا موت۔ جو روح یوں ہی ناک سے نکل جائے، بلکہ جان وہ ہے جو میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اِن جنگوں کا بھی کوئی خاص ہدف نہ تھا۔ نہ معاشرتی سطح پر کوئی انقلاب لانے کی دھن تھی، نہ امن و امان کو یقینی بنانا مقصود تھا۔ بس رگِ حمیت ہمیشہ پھڑکتی رہتی تھی، جس کے نتیجہ میں جنگ کہیں بھی چھڑ سکتی تھی۔ قبائلی عصبیت اس قدر عروج پر جا چکی تھی کہ اپنے خود ساختہ معبود میں بھی شرکتِ غیر گوارا نہ تھی۔ بے حیائی کا عالم یہ تھا کہ ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا تھا۔ اس جہالت نے بطن

وادی میں کسی تہذیب کو پنپنے نہ دیا، اور بدامنی کے سبب اس خطہ میں باقی دنیا کے لیے کشش کا کوئی سامان نہ تھا۔

مگر ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء کو پیر کی صبح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو اس خطے کی تقدیر جاگ اٹھی۔ امن وسلامتی کے پیغمبر آئے تو نئی تہذیب کی بنیاد پڑی۔ انھوں نے کردار وعمل کا مظاہرہ پہلے خود کیا، اور اخلاقی قدریں قائم کیں۔ اب جہالت کی تاریکی سمٹنے لگی، اور علم کی کرنیں بکھرنے لگیں۔ ظلم وجفا کا دور جانے لگا، اور عدل وانصاف کا دور آنے لگا۔ آپ نے جب معاشرتی زندگی کا آغاز کیا تو سب سے پہلے امن عامہ کو یقینی بنانے کی طرف توجہ دلائی، جس کے نتیجے میں حلف الفضول کا منظر نامہ سامنے آیا۔ اس طرح قتل وغارت گری اور لوٹ مار پر شکنجہ کسا گیا۔ جس سے امن وآشتی کا سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ امانت داری ایسی کہ اپنے پرائے سب آپ کو صادق وامین کہنے لگے۔ اس طرح آپ نے اس تاریک ماحول میں ایک نئی تہذیب متعارف کرائی۔ بت پرستی کی مخالفت شروع کی۔ اور ایک وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کا سبق دیا۔ سیکھنے والوں نے سیکھا، معاندین دشمنی پر اتر آئے۔ بدنصیبوں نے اپنی بدنصیبی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔ جب حق کا نعرہ فاران کی چوٹی سے بلند کیا گیا تو قسمت کے مارے اٹھ کھڑے ہوئے۔ برے الفاظ اور بری گالیوں کی بوچھار ہونے لگی۔ مخالفتوں کا طوفان اٹھا۔ لیکن پیغمبر اخلاق نے طوفان کی زد پر حقانیت کے چراغ جلائے۔ حق کو دبانے کی کوششیں تیز تر ہوگئیں، اور باطل قوتوں نے حق کے پنپنے کے سارے امکانات پر پہرے بٹھا دیے۔

بالآخر حق کے غلبے کی دوسری صورت سامنے آئی۔ پیغمبر اسلام کو بارگاہِ الٰہی سے اذنِ ہجرت ملا۔ خانہ کعبہ کو بڑی حسرتوں کے ساتھ الوداع کہہ کر آپ نے مدینے کا رخ کیا۔ مدینے والوں نے پرجوش استقبال کیا۔ انصارِ مدینہ نے مہاجرین اسلام اور ان کے سرخیل کے لیے نگاہیں فرشِ راہ کردیں۔ اس طرح اسلام کے لیے کھلی فضا مل گئی، یہاں آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مدینے والوں نے تن من دھن کی بازی لگادی۔ اب اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ یہاں تک کہ آٹھ سال کے بعد دس ہزار کی تعداد میں پیغمبر اسلام نے مکہ مکرمہ کا دوبارہ رخ کیا تو اب دن پلٹ چکے تھے، اور پورے خطے پر آپ کا دبدبہ اس قدر قائم ہو چکا تھا کہ لشکر اسلام آپ کی سرکردگی میں مارچ کرتا ہوا حرم مکہ تک پہنچ گیا اور کسی ذی روح کی کوئی مزاحمت سامنے نہ آئی۔ معاندین یا تو اسلام کے دامن سے وابستہ ہو چکے تھے یا جان بچا کر بھاگ چکے تھے۔

مکہ مکرمہ پر اسلام کا پھریرا لہرایا گویا اسلام کو پورے جزیرہ عرب پر غلبہ مل گیا۔ چہار جانب سے لوگ جوق درجوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اہم ترین مقصد پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

آج دنیا بہت ترقی کر چکی ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی میں انسان بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ مسافتیں سمٹ گئی ہیں، ٹکنالوجی نے پوری دنیا کو ایک گاؤں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ ہواؤں اور فضاؤں پر حکومت کی جانے لگی۔ روشنی کی لرزتی لکیروں کو کنٹرول کیا جانے لگا۔ الکٹرانک راڈار نے درونِ خانہ کی حرکات وسکنات کو طشت از بام کر دیا۔ میڈیکل سائنس حیرت انگیز حد تک آگے بڑھ چکی ہے۔ اس ہزار ترقی کے باوجود، کیا اب بھی وہ صالح معاشرہ پیدا ہوسکا ہے؟ جو پیغمبر انقلاب نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس سنگلاخ میں برپا کیا تھا جو پسماندگی کے سبب کسی کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا تھا۔ اسی معاشرے میں نسلی، قومی اور لسانی امتیازات کو مٹا دیا گیا تھا۔ اور حقوقِ انسانی کی قدم قدم پر رعایت کی جاتی تھی۔ مساوات اپنی حقیقی شکل میں قائم ہو چکا تھا۔ بھوکوں اور مفلسوں کے لیے ہر دل دھڑکتا تھا۔ دوسروں کے لیے ایثار معاشرے کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ اور تعمیری ذہن کے ساتھ تعلیم وتعلم کی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔

اکیسویں صدی میں انسان نے قدم رکھا ہے، لیکن مختلف شکلوں میں دہشت گردی اور انتہا پسندی کے رجحانات کے ساتھ، رشوت ستانی سودخوری اور گھوٹالوں کے ساتھ، تباہ کن دھماکوں کے ساتھ، ایٹم بم اور میزائلوں کے ساتھ، رضا کارانہ زنا کاری کے رجحانات کے ساتھ، شراب ومنشیات کے اڈوں کے ساتھ۔ اس صدی میں چھوٹے چھوٹے گھوٹالوں سے بدہضمی کیا ہوگی؟ جب کہ بڑے بڑے گھوٹالے بڑی آسانی کے ساتھ ہضم کر لیے جاتے ہیں۔ آج بازار میں ہر طرف کالے دھن کا راج ہے۔ جو جتنا بڑا سیاست داں ہے اتنا ہی حکومتی خزانوں کے غلط استعمال اور انکم ٹیکس چوری کا ملزم ہے۔ جو جتنا بڑا انسانیت کا علمبردار ہے وہ اسی قدر تشدد پر آمادہ ہے۔ مار پیٹ اور غنڈہ گردی کو قانونی شکل دے کر اسے صرف چند لوگوں کے لیے خاص کیا جا رہا ہے۔ مساوات کا حال یہ ہے کہ جوہری ہتھیار کے خلاف قوانین اور تجاویز صرف دوسروں کے لیے ہیں۔ اور اپنے لیے بڑے سے بڑا ایٹم بم بنا لینا بلکہ استعمال کر لینا آئینی حق ہے۔ عالمی منڈی پر چند عناصر کی اجارہ داری ہے، جو اپنی مرضی سے اشیا کی قیمتیں متعین کرتے ہیں۔ غرضیکہ دہشت گردی، فساد، لوٹ مار، قتل وغارت گری، چوری، رہزنی، زنا کاری، آبرو ریزی کچھ بھی دنیا سے کم نہ ہوئی۔ بلکہ سب پر چند طبقوں کی اجارہ داری قائم کر دی گئی ہے۔ اور ان کے لیے قانونی جواز فراہم کیا جا رہا ہے۔ شیطان نے انسان کے اعمالِ بد کو خوب مزین کر دیا ہے۔ اب دل فریب نعرے لگا کر انسانیت کے بینر تلے ہر قسم کی مجرمانہ حرکت کی جا سکتی ہے۔

آج دنیا کے تقریباً سارے ممالک آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ لیکن ہنوز اپنے قومی رجحانات سے آزاد نہیں ہو سکے۔ نسلی تعصّبات کی زنجیریں توڑ نہیں سکے، لسانی امتیازات کی بیڑیاں کاٹ نہیں سکے۔ لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے ریگزار عرب میں جو نئی تہذیب متعارف ہوئی تھی اس نے صرف چند سالوں میں پوری قوم کے رجحانات کیسے بدل دیے تھے، تاریخ کا یہی وہ حیرت انگیز مقام ہے جہاں تخیلات مجبور اور فکریں لاچار ہو جاتی ہیں، اور تجربات ومشاہدات بے اثر ہو جاتے ہیں کہ آخر وہ کون سی طاقت تھی جس کے زور پر پیغمبر اسلام نے بگڑے ہوئے معاشرے کی سدھار کے لیے ابتدائی ذہن سازی سے لے کر سیاسی اور فکری انقلاب تک برپا کر دیا۔ اور جس مشن کا آغاز انھوں نے چالیس سال کی عمر میں کیا تھا اپنی زندگی میں ہی اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ایک نئی تہذیب متعارف کرائی، نیا دین نافذ العمل کیا، نئی قوم بنائی۔ نئے طرز سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اور ایسی فوج بنائی جو آسمانی اصولوں کے مطابق زمین پر اپنی تمام سرگرمیاں انجام دیتی تھی۔

دنیا میں بڑے بڑے مصلحین اور انقلاب آفریں شخصیات نے جنم لیا ہے۔ لیکن ان کے برپا کردہ انقلاب کا کوئی ایک ہی رخ رہا ہے۔ وہ صنعتی انقلاب ہو یا سیاسی انقلاب، فوجی انقلاب، یا علمی انقلاب، یا سائنسی انقلاب۔ پیغمبر اسلام کے سوا کوئی شخصیت پوری تاریخ میں نہیں ملتی جس کی کوششیں اور قربانیاں ہر سطح پر انقلاب آفریں رہی ہوں۔

یہ ہمہ گیر انقلاب پیغمبر اسلام کی حقانیت کے ساتھ ساتھ خاتمیت کی بھی بڑی دلیل ہے۔ اب اگر کوئی اور آسمانی کتاب آنی ہوتی، کسی اور نبی کو آنا ہوتا تو اس مذہب کو اس قدر اوجِ کمال تک کیوں پہنچایا جاتا؟ دین کی تعلیمات اور اس کے اصول کو کامل ومکمل ہونے کا اعلان کیوں کیا جاتا؟ کچھ کام تو باقی رکھا جاتا، جو آنے والا کرتا۔ نبی آخر الزماں کی تعلیمات مکمل کر دی گئیں، ان پر جو وحی نازل ہوئی حرف حرف محفوظ کر دی گئی، ان کے اقوال وافعال واحوال محفوظ کر دیے گئے۔ ان کے صحابہ واہل بیت کی حفاظت کی گئی۔ ان کے شہر کی حفاظت کی گئی، ان کے آثار وباقیات کی حفاظت کی گئی۔ بلکہ ان کی ایک ایک حرکت محفوظ کر لی گئی، تاکہ قیامت تک یہ دین سلامت رہے۔ اب کسی اور دین یا پیغمبر کی ضرورت باقی نہ رہے۔ ☆

آٹھویں قسط

درس حدیث

مشکل احادیث اور ان کا حل

از: مولانا کوثر امام قادری مہراج گنج

قیام تعظیمی

عن معاویة رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: (من سرہ ان یتمثل له الرجال قیاماً فلیتبوأ مقعدہ من النار)) (مشکوٰۃ، باب القیام)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈھے)

عن ابی امامة رضی اللہ عنہ، قال: خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً علی عصاہ فقمنا له، فقال: (لاتقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضها بعضا) (مشکوٰۃ، باب القیام)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عصا مبارک تھامے ہوئے تشریف لائے؛ تو ہم لوگ آپ کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا: (تم لوگ اس طرح قیام نہ کرو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم میں کھڑے ہوتے ہیں)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے قیام تعظیمی درست نہیں، جبکہ ذیل کی حدیث سے قیام تعظیمی کا جواز ہوتا ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، ان اهل قریظة لما نزلوا علی حکم سعد، ارسل الیه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فجاء علی حمار اقمر، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((قوموا الی سیدکم او الی خیرکم)) فجاء حتی قعد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو قریظہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تحکیم پر اتر آئے؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلوایا، وہ ایک سفید گدھے پر سوار ہو کر آئے؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اپنے سردار یا اپنے بہتر فرد کے لیے کھڑے ہو جاؤ)) پس وہ آئے اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گئے۔

عن عمر بن السائب رضی اللہ عنہ، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان جالسا یوما فأقبل أبوہ من الرضاعة: فوضع له بعض ثوبه فقعد علیه، ثم اقبلت امه فوضع لها شق ثوبه من جانبه الآخر فجلست علیه، ثم اخوہ من الرضاعة فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجلسه بین یدیه۔ (ابوداؤد، کتاب الادب)

ترجمہ: حضرت عمر بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ:

آپ کے رضاعی باپ آ گئے؛ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے کپڑے کا ایک حصہ بچھا دیا؛ تو وہ اس پر بیٹھ گئے، پھر رضاعی والدہ آئیں؛ تو ان کے لیے کپڑے کا دوسرا حصہ بچھا دیا؛ تو وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر رضاعی بھائی آ گیا؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اسے اپنے سامنے بٹھایا۔

دفع اشکال

دونوں قسم کی حدیثوں میں دقت نظری سے دیکھیں؛ تو کوئی تعارض نہیں؛ کیونکہ قیام تعظیمی کے سلسلے میں ممانعت کی جو حدیثیں آئی ہیں، ان سے مطلقاً قیام تعظیمی کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ ایک حدیث میں عجمیوں کی طرح قیام سے منع کیا گیا، گویا صحابہ کرام کی طرح قیام تعظیمی کی جائے؛ تو درست ہے اور دوسری حدیث میں قیام تعظیمی کرنے سے نہیں بلکہ اپنے لیے قیام تعظیمی چاہنے سے منع کیا گیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

”خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے، اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو؛ تو اس کے لیے مکروہ نہیں، قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لیے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو اور لوگ کھڑے ہوں (جیسا کہ عجمیوں کے سرداروں کا حال تھا) اور دنیاداروں کے لیے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: ”ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں“ (جاء الحق: ۵۶۹)

قلب نبوت کی بیداری

عن أبي هريرة رضي الله عنه عرّسنا مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیاخذ کل رجل براس راحلتہ فان ھذا منزل حضرنا فیہا الشیطن قال ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضأ ثم سجد سجدتین وقال یعقوب ثم صلی سجدتین ثم اقیمت الصلوٰۃ فصلی الغداۃ۔ (مسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخیر شب میں قیام پذیر ہوئے اور ہم میں سے کوئی شخص بیدار نہیں ہوا حتی کہ سورج طلوع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر شخص اپنی سواری کا لگام پکڑ کر یہاں سے روانہ ہو جائے کیوں کہ جس جگہ ہم ٹھہرے تھے وہاں شیطان کا اثر ہے۔ ہم نے ایسا ہی کیا، پھر آپ نے پانی منگا کر وضو کیا اور دو رکعت نماز (فجر کی سنتیں) پڑھی پھر نماز کی اقامت کہی گئی اور آپ نے فجر کی نماز (قضا کر کے) پڑھائی۔

اس حدیث سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ جس طرح دیگر صحابہ کو حالت نیند میں نماز فجر کے وقت کا علم نہ ہوسکا اسی طرح حالت نیند میں حضور کو بھی خبر نہ ہوسکی اور نماز قضا ہو گئی۔ گویا اثرات نیند کے مرتب ہونے میں دیگر صحابہ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برابر ہیں، جب کہ دوسری روایت اس کے برخلاف ہے۔

عن ام المومنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ ان عینیّ تنامان ولا ینام قلبی۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اے عائشہ میری آنکھیں سوجاتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ (بخاری جلد اول ۱۵۴)

(بقیہ صفحہ 20 پر)

شرعی مسائل

جشن عید میلاد النبی ﷺ منانا کیسا ہے
دار الافتاء مصر

ترجمہ و پیش کش: مفتی ازہار احمد امجدی مصباحی

دار الافتا مصر کے فتوی کا ترجمہ پیش کرنے سے پہلے میں ہندو پاک کے اہل سنت و جماعت کی عوام سے عرض کرنا چاہوں گا کہ بسا اوقات بعض لوگ اہل سنت و جماعت کی عوام کو دھوکا دینے کے لیے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ عرب میں ایسا نہیں ہوتا ویسا نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے بعض حضرات دھوکہ میں آجاتے ہیں، آپ ان کے اس فریب میں نہ آئیں، کیونکہ ان کا یہ قول جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے، بلکہ اہل سنت و جماعت کے اقوال کی اتباع کریں، اور انہیں کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہیں، اسی میں نجات دنیوی و اخروی ہے، ان کے جھوٹ کی واضح مثال یہی عید میلاد النبی ﷺ کا مسئلہ ہے، جس کے بارے میں وہ کہتے نظر آتے ہیں کہ عرب میں اس طرح کے جشن کا اہتمام نہیں کیا جاتا، جو جھوٹ کا پلندہ ہے، مصر جو عرب ملک میں شمار کیا جاتا ہے، اس کے عام علمائے کرام اور مفتیان عظام اور جامعہ ازہر جو پوری دنیا کا قبلہ علم مانا جاتا ہے، اس جامعہ کے مفتیان کرام کی رائے یہی ہے کہ عید میلاد النبی ﷺ منانا جائز ہے، جائز ہی نہیں بلکہ افضل عبادات میں سے ہے، اور یہ مفتیان کرام جشن عید میلاد النبی ﷺ کا اہتمام بھی کرتے ہیں، البتہ خوشی منانے کا طریقہ زمان و کان کے اعتبار سے بعض جہت سے مختلف ہوتا ہے، مگر یہ اختلاف ممانعت کا باعث نہیں بن سکتا،

اس کے علاوہ اور بہت سارے مسائل ہیں جن کے بارے میں مخالفین اہل سنت و جماعت کی عوام کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں، عوام اہل سنت کو ان کے اس دھوکا دینے والی بات سے متنبہ رہنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی تمام عوام اہل سنت کو علمائے اہل سنت کی اتباع کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین، جامعہ ازہر کے دار الافتا کا عید میلاد النبی ﷺ کے متعلق مندرجہ ذیل سطور میں فتوی ملاحظہ فرمائیں:

اندراج نمبر: (669726)

سوال: عید میلاد النبی ﷺ منانا کیسا ہے؟

جواب: تمام انسانوں کے لئے میلاد النبی ﷺ رحمت الہیہ کا سب سے عظیم سبب ہے، چنانچہ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں حضور ﷺ کے وجود کو رحمت سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ((**وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین**)) (سورہ انبیا ۲۱ / آیت ۱۰۷)

ترجمہ: ((اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے)) (کنز الایمان) اور یہ رحمت الہیہ محدود نہیں بلکہ عام ہے، یہ وہ رحمت ہے جو انسانوں کی تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس، سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنا، اور حیات مادیہ و معنویہ کے میدان میں عروج حاصل کرنا، گو کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ذات کی صورت میں رحمت الہیہ تمام جہات کو شامل ہے، اور یہ رحمت الہیہ کسی زمانہ کے

ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام زمانوں کو شامل ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ((و آخرین منهم لما يلحقوا بهم)) (سورہ جمعہ ۶۲/آیت ۳) ترجمہ: ((اوران میں سے اوروں کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں جو ان اگلوں سے نہ ملے)) (کنز الایمان)

سید الکونین، خاتم الانبیا والمرسلین، نبی الرحمہ، غوث الامہ سیدنا محمد ﷺ کی پیدائش کے دن جمع ہو کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذکر کرنا افضل اعمال اور قربتوں میں سے ہے، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے محبت اور خوشی کا اظہار کرنا ہے، اور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنا ایمان کے اصولوں میں سے ہے، چنانچہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ((لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب اليه من والده و ولده والناس أجمعين)) (صحیح البخاری) ترجمہ: ((تم میں سے کوئی مؤمن کامل نہیں، جب تک کہ میں اس کے نزدیک تمام لوگوں حتی کہ اس کے والد اور اس کے بیٹے سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں))

حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (نبی کریم ﷺ سے محبت ایمان کے اصولوں میں سے ہے، آپ ﷺ سے محبت اللہ جل شانہ سے محبت کرنا ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے حضور ﷺ کی محبت کو اپنی محبت کے ساتھ ذکر کیا ہے، یہی نہیں بلکہ جن لوگوں نے کسی چیز کی طبعی محبت مثلاً اقارب، اموال اور وطن وغیرہ کی محبت کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پر مقدم رکھا، اللہ تعالی نے ان کی وعید فرمائی، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ((قل ان كان آباؤكم وأبناؤكم واخوانكم وأزواجكم وعشيرتكم وأموال اقترفتموها أو تجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها أحب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى يأتي الله بأمره)) (سورہ توبہ ۹/آیت ۲۴) ترجمہ: ((تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے)) (کنز الایمان) اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: يا رسول الله لأنت أحب الى من كل شيء الا من نفسي. قال النبي ﷺ: ((لا والذي نفسي بيده، حتى أكون أحب اليك من نفسك)) فقال له عمر رضي الله عنه: فانه الآن والله لأنت أحب الى من نفسي. فقال النبي ﷺ: ((الآن يا عمر)) (صحیح البخاری) ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اس ذات کی قسم جس کی دست قدرت میں میری جان ہے، تمہاری محبت کامل نہیں، جب تک کہ میں تمہارے نزدیک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)) حضرت عمر رضی اللہ نے عرض کیا: خدا کی قسم آپ آج سے میری جان سے بھی زیادہ میرے نزدیک محبوب ہیں، حضور بنی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اب تمہاری محبت کامل ہوئی)) اھ۔

نیز حضور ﷺ کی پیدائش کے دن جمع ہونا، یہ آپ ﷺ کی ذات سے متعلق اہتمام کرنا ہے، اور حضور ﷺ کی ذات سے متعلق اہتمام کرنا، اور ان کا ذکر کرنا قطعی طور پر جائز ہے، چنانچہ اللہ جل شانہ نے اپنے نبی ﷺ کی قدر و منزلت کو بیان فرمایا، اور آپ ﷺ کے پورے وجود مسعود، ان کا نام، ان کی بعثت، اور ان کی رفعت و مرتبت ساری دنیا کے سامنے پیش کیا، اللہ تبارک وتعالی کا پوری دنیا پر اس نور، نعمت، اور حجت کا اظہار کرنے کی وجہ سے آج سارا عالم دائمی خوشی اور سرور میں مست ہے، اور عید میلاد النبی ﷺ کا جشن کوئی آج کل کی ایجاد نہیں بلکہ چوتھی اور پانچویں صدی سے ہمارے علمائے کرام اور سلف صالحین مختلف جہات مثلاً کھانا کھلا کر، قرآن

مجید کی تلاوت کر کے، ذکر واذکار کر کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اشعار ومدائح پڑھکر رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی مناتے آرہے ہیں، جیسا کہ بہت سارے مؤرخین مثلا حافظ ابن الجوزی وابن کثیر، اور حافظ ابن دحیہ اندلسی وحافظ ابن حجر، اور خاتمۃ الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور علماو فقہا کی ایک جماعت نے یوم ولادت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن منانے کے مستحب ہونے پر کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، ان حضرات نے ان کتابوں کے مشتملات کو ٹھوس اور صحیح دلائل وبراہین سے مزین کیا ہے، ان کتابوں میں مذکورہ دلائل ایسی دلائل ہیں جن کے مطالعہ کے بعد تھوڑی سی بھی عقل وفہم اور فکر سلیم رکھنے والا اسلاف کے اس طریقہ کار یعنی ان کا ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منانے کو غلط قرار نہیں دے سکتا، اور ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'المدخل' میں ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کے متعلق بہت ساری خصوصیات اور فوائد ذکر کئے ہیں، اور آپ نے احتفال کے متعلق بہت سارے مفید کلام کئے ہیں، جو مؤمنین کے دل ودماغ کو روشن کرنے کے لئے کافی ہے، نیز خیال رہے کہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'المدخل' کو اس لئے تصنیف فرمائی تاکہ لوگوں کے سامنے ان بدعات ومحدثات کا بیان کریں جو دلیل شرعی کے تحت نہیں آتی ہیں!!

اور لفظ احتفال (حفل اللبن فی الضرع یحفل حفلا و حفلا) سے ماخوذ ہے، اور (تحفل تحفلا) و (احتفل احتفالا) یعنی جمع ہونا، اور (حفل القوم) باب ضرب یضرب سے آیا ہے، اور (احتفلوا) یعنی بہت سارے لوگ جمع ہوئے، اور (عندہ حفل من الناس) یعنی اس کے پاس کچھ لوگ جمع ہیں، اور (حفل) اصل میں مصدر ہے، اور (محفل القوم و محتفلھم) یعنی قوم کا مجمع، اور (حفلہ) یعنی اس کو ظاہر کیا تو وہ ظاہر ہوگیا، اور (حفل کذا): یعنی اس نے کسی چیز پر توجہ دی، اور کہا جاتا ہے: (لاتحفل بہ) یعنی اس پر توجہ نہ دو۔

ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احتفال کا جو مقصد ہے وہ احتفال کے لغوی معنی سے عموما مختلف نہیں بلکہ موافق نظر آتا ہے، کیونکہ ولادت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جشن منانا یہ لوگوں کا جمع ہو کر ذکر کرنا، اور اشعار کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا کرنا، اور کھانا صدقہ کر کے لوگوں کو کھلانا ہے، اور ان تمام اعمال کا مقصد صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کرنا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے دن پر خوشی ومسرت کا اظہار کرنا ہے۔

بعض لوگوں کو قرون ثلاثہ کا ان احتفالات سے خالی ہونے کی وجہ سے التباس ہوتا ہے، اور سمجھتے ہیں کہ خیر القرون کا ان احتفالات سے خالی ہونا ان کے عدم جواز اور ممانعت پر دلالت کرتا ہے، باخدا کہتا ہوں یہ چیز احتفال کے عدم جواز اور ممنوع ہونے پر دلالت نہیں کرتی، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دن خوش وخرم ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ خوشی کے اظہار کرنے میں طریقہ کار اور اسالیب مختلف ہوتے ہیں، اور اسالیب کے مختلف ہونے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ اسالیب فی ذاتہا عبادت نہیں، جس کی وجہ سے خوشی کے اظہار کرنے میں کسی خاص اسلوب اور طریقہ کار کا التزام کرنا ضروری ہو، بہرحال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت کی خوشی منانا ایک عظیم عبادت ہے، اور اس خوشی کے اظہار کے کئی مباح وسائل وطرق ہیں، ہر ایک کو الگ الگ مباح طریقہ کی اتباع کر کے خوشی کے اظہار کرنے کا حق ہے۔

ابولہب جس کا کفر وعناد اور اللہ جل وعلا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اس کی لڑائی انتہائی درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، اللہ جل شانہ نے ابولہب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کی خوشی کا اظہار کرنے کی وجہ سے اس سے عذاب میں تخفیف کر سکتا ہے، چنانچہ ابولہب اللہ کے فضل وکرم سے ہر دوشنبہ کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کے ذریعہ جہنم میں پانی پیتا ہے۔ (بقیہ صفحہ 54 پر)

طارق انور مصباحی (کیرلا)

سیدالسادات علی الاطلاق ،افضل الخلائق بالاتفاق، خلیفۃ اللہ فی السموات والارضین، تاج الانبیاء والمرسلین، ،مصدر کمالات انسانیہ، مرجع درجات روحانیہ، خلاصہ ء تکوین الٰہی، مظہر جلوۂ کبریائی، تاجدار کائنات، مسأ تخلیق موجودات، منبع علم وحکم، معدن جود وکرم، قرآن مجسم، ہادی عالم، سیدی وسندی، ماوائی وملجائی حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واتباعہ اجمعین کائنات عالم کی وہ عظیم ترین ہستی ہیں کہ ان کی مدح تام قوت انسانیہ سے ماوراہے۔ تاہم حتی المقدور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل ومناقب اورمحامد ومحاسن بیان کرتا ہوں، تا کہ دونوں جہاں کی سرمدی وابدی نعمتوں سے شادکام ہوسکوں اور الطاف خسروانہ سے سرفرازی کا موقع میسر آئے۔گرقبول افتدزہے عز وشرف

سب سے افضل واعلیٰ ہمارا نبی:

حضرت حبیب محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات ومراتب، عظمت وشوکت اور رفعت وبلندی کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات الٰہی میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں۔وہ اتنے عظیم ہیں کہ کسی کو ان کی عظمت کا علم وادراک بھی نہیں۔تصریحات وتشریحات درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا{یَا اَبَابَکْرٍ! لَمْ یَعْلَمْنِیْ حَقِیْقَۃً غَیْرُ رَبِّیْ}(مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات للعلامۃ الفاسی ص۱۲۹-مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد پاکستان)

ترجمہ: اے ابوبکر! مجھے درحقیقت میرے رب تعالیٰ کے علاوہ (کسی) نے پہچانا نہیں۔

ہمہ پیغمبراں درجستجو اند　　　خدادا ند کہ تو درچہ مقامی

(۲){عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قَالَ لِیْ جِبْرِیْلُ قَلَّبْتُ الْاَرْضَ مَشَارِقَہَا وَمَغَارِبَہَا فَلَمْ اَجِدْ رَجُلًا اَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ وَلَمْ اَجِدْ بَنِیْ اَبٍ اَفْضَلَ مِنْ بَنِیْ ہَاشِمٍ}(المواہب اللدنیہ ج۱ص۸۷-المکتب الاسلامی بیروت-الخصائص الکبریٰ للسیوطی ج۱ص ۶۷-دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔حضرت جبریل امین نے مجھے بتایا کہ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو بغور دیکھا، پس میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل کسی انسان کو نہ پایا اور بنی ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہ پایا۔

منفرد اندر کمال ذاتی است
لا جرم مثلش محال ذاتی است
(مرزا اسداللہ خاں غالب)

لمحہ بہ لمحہ ارتقائے مراتب:

حضرت سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درجات و مراتب روز افزوں ترقی پر ہیں۔ اس حقیقت کا انکشاف خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ارشاد الٰہی وتشریحات علمائے اسلام مرقومہ ذیل ہیں۔

(۱) رب کل جہاں عزوجل نے ارشاد فرمایا{وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى}(سورہ ضحیٰ-۴،۵) ترجمہ: اور بے شک پچھلی (گھڑی) تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہوجاؤ گے۔(کنزالایمان)

(۲) امام تاج الدین سبکی شافعی (۷۲۷ھ-۷۷۱ھ) نے فرمایا{وَهُوَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزْدَادُ كُلَّ يَوْمٍ شَرَفًا وَرُتْبَةً اِلَى الْاَبَدِ}(طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۴۱۱) ترجمہ: حضرت سید الانبیاوالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر دن ابد تک فضل وشرف اور درجہ ورتبہ کے اعتبار سے بڑھتے جائیں گے۔

(۳) علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی (۹۰۹ھ-۹۷۴ھ) نے تحریر فرمایا{اِعْلَمْ اَنَّ نَبِيَّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَاتِ وَاَكْمَلُهُمْ ۔ فَهُوَ فِيْ كَمَالٍ وَزِيَادَةٍ اَبَدًا ۔ يَتَرَقّٰى مِنْ كَمَالٍ اِلٰى كَمَالٍ ۔ اِلٰى مَا لَا يَعْلَمُ كُنْهَهٗ اِلَّا اللهُ تَعَالٰى ۔ فَلَا مُحَالَ فِيْ تَزَايُدِ كَمَالِهٖ وَتَرَقِّيْهِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى نَفْسِهٖ بَعْدَ كَوْنِهٖ ﷺ اَكْمَلَ الْمَخْلُوْقَاتِ}(الفتاوی الحدیثیہ ص ۱۰)

ترجمہ: جان لو کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوقات میں سب سے زیادہ بزرگی والے اور سب سے کامل ترین ہیں۔ پس وہ ہمیشہ کمال اور زیادتی میں ہیں، ایک کمال سے دوسرے کمال کی جانب ترقی کرتے جاتے ہیں، اس کمال کی طرف جس کی حقیقت رب تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں۔ پس آپ کے کمالات کے اضافے میں اور بہ نسبت خود ترقی کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ اگرچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلائق میں سب سے کامل ترین مخلوق ہیں۔

قرآن کی ہر آیت میں مدح مصطفوی:

قرآن مجید کی ہر آیت میں مدح مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہے۔ ہاں، ہر ایک کو اس مفہوم تک رسائی نہیں۔ محض اہل نظر کی نظر وہاں تک پہنچتی ہے۔

امام اہل سنت نے تحریر فرمایا۔ ''شیخ محقق (عبد الحق محدث دہلوی) نے اخبار الاخیار میں بعض اولیا کی ایک تفسیر بتائی، جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کر دیا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۲ ص ۲۵۲-رضا اکیڈمی ممبئی)

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے:

(۱) امام ابوزکریا نووی شافعی م(۶۳۱ھ-۶۷۶ھ) نے تحریر فرمایا کہ حضرت سید الانبیاوالمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صالح اور غیر صالح ہر ایک کے خواب میں تشریف لاتے ہیں۔ (الفتاوی النوویہ ص ۲۸۵-دار الحدیث القاہرہ)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حقیقی زیارت نصیب ہوئی اور ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ وہ رحمۃ للعلمین ہیں، ممکن ہے کہ کبھی ہم گنہگاروں کو بھی شرف دیدار سے سرفراز فرمائیں اور ہمارا باطن بھی برکت دیدار سے انقلاب پذیر ہو جائے۔ انتظار رہے گا اس ساعت سعید کا۔

ان کا خیال ان کی طلب ان کی جستجو
اب اور زندگی کے مشاغل نہیں رہے

ہمیں معلوم ہے کہ آج بھی حضرت سلطان مملکت کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے عشاق کاملین سے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنی زیارت ورویت سلب نہیں فرماتے۔ارباب عشق ومحبت کہا کرتے ہیں کہ گرایک لمحہ کے لیے بھی آپ کی رویت مقدسہ ہم سے منقطع ہوجائے تو ہم خودکو مؤمن نہیں سمجھیں گے۔

(۲)امام عبدالوہاب شعرانی شافعی (۸۹۸ھ-۹۷۳ھ) نے تحریرفرمایا{وقد بلغنا عن الشیخ ابی الحسن الشاذلی وتلمیذہ الشیخ ابی العباس المرسی وغیرھما انھم کانوا یقولون-لو احتجبت عنا رؤیۃُ رسول اللہ ﷺ طرفۃَ عین ما عددنا انفسنا من جملۃ المسلمین-فاذا کان ھذا قول اٰحاد الاولیاء فالائمۃ المجتھدون اولیٰ بھذا المقام}(میزان الشریعۃ الکبریٰ ج۱ص۴۴)

ترجمہ: ہمیں خبر پہنچی کہ شیخ ابوالحسن شاذلی اوران کے شاگردابوالعباس مرسی وغیرہما کہا کرتے کہ اگر ہم سے پلک جھپکنے کی مقدار حضرت سیدالانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پوشیدہ ہوجائے تو ہم اپنے آپ کو جماعت مومنین سے شمار نہ کریں۔پس جب اولیائے کرام کا یہ قول ہے تو حضرات ائمہ مجتہدین اس مقام کے زیادہ لائق ہیں۔

(۳)امام سیوطی شافعی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے لکھا{قال رجل للشیخ ابی العباس المرسی-یا سیدی!صافحنی بکفک ھذہ فانک لقیت رجالًا وبلادا-فقال-واللہ ما صافحت بکفی ھذا الا رسول اللہ ﷺ-وقال الشیخ-لو حجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین،ما عددت نفسی من المسلمین}(الحاوی للفتاویٰ ج۲ص۲۶۰-تنویرالحلک فی رؤیۃ النبی جہاراًوالملک ص۹)

ترجمہ: ایک شخص نے شیخ ابوالعباس مرسی سے عرض کیا۔یاسیدی!آپ اپنے اس ہاتھ سے مصافحہ فرمائیں،اس لیے کہ آپ نے بہت سے لوگوں اور شہروں کو دیکھا۔آپ نے فرمایا۔قسم بخدا!میں نے اپنے اس ہاتھ سے حضرت شفیع کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے مصافحہ نہ کیا،اورشیخ ابوالعباس مرسی نے فرمایا کہ اگر مجھ سے پلک جھپکنے کی مقدار حضرت سیدالانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پوشیدہ ہوجائے تو میں اپنے آپ کو جماعت مومنین سے شمار نہ کروں۔

یعنی بعض نفوس قدسیہ اس منزل رفیع پر بھی فائز ہیں ہیں کہ لمحہ بھر کے لیے بھی دیدار مصطفوی ان سے منقطع نہیں ہوتا۔چہ عجب گر شاہاں بنوازند گدارا۔ہم گرچہ اس منصب بلند پر متمکن نہیں،لیکن ہمیں چاہئے کہ اپنے افکاروخیالات کو تصورات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آراستہ کرلیں۔دیوانگان عشق محمدی کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر سب کچھ قربان کردیتے ہیں،حتّٰی کہ اپنی جان بھی،اوراس میں انہیں جوفرحت وسروراورمسرت وشادمانی محسوس ہوتی ہے،زبان وقلم سے اس کی تعبیرممکن نہیں۔

محبت کی یہ دنیا بھی بڑی پرکیف دنیا ہے
متاع دوجہاں کھوکربھی کوئی غم نہیں ہوتا

بے وسیلہ نجدیو ہرگز خدا ملتا نہیں:

(۱){حکی عن الشیخ ابی الحسن الوتانی قال اخبرنی الشیخ ابوالعباس الطنجی قال-وردت علی سیدی احمدبن الرفاعی فقال-ما انا شیخک،شیخک عبدالحکیم بِقَنَا -قال-فسافرت بِقَنَا- فدخلت علی الشیخ عبد الرحیم- فقال لی-عرفت رسول اللہ ﷺ؟

قلتُ-لا-قال-رُح الی بیت المقدس حتی تعرف رسول اللهﷺ-فرحت الی بیت المقدس-فحین وضعت رجلی واذا بالسماء و الارض والعرش والکرسی مملوئة من رسول اللهﷺفرجعت الی الشیخ-فقال لی-عرفت رسول اللهﷺ؟-قلت-نعم-قال-الاٰن کملت طریقتك-لم تکن الاقطاب اقطابًا والاوتاد اوتادًا والاولیاء اولیاء الا بمعرفة رسول اللهﷺ}(الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۶۰ -تنویر الحلک للسیوطی ص ۹)

ترجمہ: حضرت ابوالحسن وتانی سے حکایت مروی ہے۔انھوں نے کہا مجھے شیخ ابوالعباس طنجی نے کہا۔میں سید احمد بن کبیر کے پاس گیا، پس انہوں نے فرمایا۔تمہارے شیخ قنا میں عبدالحکیم ہیں۔انہوں نے کہا کہ میں قنا کا سفر کیا۔پس میں شیخ عبدالرحیم کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا۔تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچانا؟ میں نے عرض کیا۔نہیں۔انہوں نے فرمایا۔بیت المقدس جا تا کہ تجھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو۔پس میں بیت المقدس گیا تو جب میں قدم رکھا تو زمین وآسمان،عرش وکرسی حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پر ہے۔پھر میں شیخ کے واپس آیا تو انھوں نے فرمایا۔تم نے حضرت سید دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچانا؟ میں نے عرض کیا۔ہاں،شیخ عبدالحکیم نے فرمایا۔اب تمہاری طریقت مکمل ہوئی۔اقطاب،اقطاب نہیں ہوتے اور اوتاد،اوتاد نہیں ہوتے اور اولیا،اولیا نہیں ہوتے،مگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت سے۔

(۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) نے لکھا۔"درر سالہ قشیری از ابوسعید خرّاز می آرد کہ گفت۔دیدم آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را در منام و گفت۔یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔معذور دار مرا کہ محبت خدا باز داشتہ است مرا از محبت تو یعنی محبت من با تو چنداں است کہ اصلاً بغیر تو نہ پروازم و یاد غیر تو نکنم و بذکر غیر تو مشغول نشوم ولیکن چوں محبت حق اصل ومقدم است وتو نیز فرمودہ ای بدان،مُرا در رُبودہ است،فرصت را وگنجائش محبت دیگرے نگذاشتہ است وبمقتضائے محبت تو چنانکہ من می خواہم،بوجود نمی آید وایں از بے تمیزی وسکر حال است ودر مرتبہ جمع واجمال بہ بیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در جواب وے چہ گفت۔گفت یا مبارک!"مَنْ اَحَبَّ اللّٰہَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ" کسے کہ دوست می دارد خدا را،پس بہ تحقیق دوست می دارد مرا۔یعنی دوستی خدا و دوستی من یکے است ولازم یکدیگر اند ولیکن از جہت غلبہ سکر وعدم تمیز،اطلاع بر حقیقت حال از دست نظر بصیرت می رود،وایں است سببِ اشتباہ بعضے کوتاہ بیناں کہ شہود حق را از وساطت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مفارق می دانند وبر برزخیت وے واقف نمی شوند"۔(مدارج النبوہ ج ۱ ص ۲۹۶-مطبع مظہر العجائب)

ترجمہ: رسالہ قشیریہ میں حضرت ابوسعید خزار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں کہا۔میں نے حضرت سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور عرض کی۔یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے معذور رکھیں کہ رب تعالیٰ کی محبت نے مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے باز رکھا ہے یعنی مجھے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی محبت ہے کہ بالکل ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بغیر نہ جی سکتا اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کی یاد کرتا ہوں اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کے ذکر میں مشغول ہوتا ہوں۔لیکن چونکہ رب تعالیٰ کی محبت اصل

اور مقدم ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس کا حکم دیا ہے۔ محبت الٰہی نے مجھے مستغرق کر رکھا ہے اور کسی دوسرے کی محبت کی فرصت وگنجائش نہ چھوڑا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے تقاضے جیسا کہ میں چاہتا ہوں، پورے نہیں ہو پاتے، اور یہ قول عدم تمیز اور سکر حال کے سبب ہے اور جمع و اجمال کے مقام میں دیکھو کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں کیا ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے مبارک! جس نے اللہ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی۔ یعنی اللہ سے محبت و دوستی اور مجھ سے محبت و دوستی ایک ہی ہے اور ایک دوسرے کے لازم ہیں، لیکن غلبہ سکر کی وجہ سے اور عدم تمیز کی وجہ سے حقیقت حال کی اطلاع نظر بصیرت سے غائب ہو جاتی ہے اور یہی بعض کم نظر حضرات کے اشتباہ کا سبب ہے کہ وہ شہود بارگاہ الٰہی کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے جدا جانتے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ ہونے پر واقف نہیں ہوتے ہیں۔

بعض ابتدائی مراحل میں صوفیائے کرام کو وساطت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم نہیں ہوتا۔ جب آگے ترقی ہوتی ہے، تب حقائق روشن ہو جاتے ہیں اور منکشف ہو جاتا ہے کہ بلا توسط حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے لیے تجلیات الٰہی کا دروازہ نہیں کھلتا، بلکہ امت کو جو کچھ ملتا ہے، ان کے نبی و رسول کے وسیلہ ہی سے ملتا ہے اور ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بارگاہ الٰہی میں حضرات انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بھی وسیلہ ہیں، جیسا کہ حدیث ذیل میں تصریح ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت تاج الانبیا والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمایا۔

{فَقُلْتُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ-اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّتِیْ- وَاَخَّرْتُ الثَّالِثَۃَ لِیَوْمٍ یَرْغَبُ اِلَیَّ الْخَلْقُ کُلُّھُمْ حَتّٰی اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ} (صحیح مسلم جلد اول- کتاب الصلٰوۃ باب بیان ان القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف)

ترجمہ: پس میں نے دعا کی۔ یا اللہ! میری امت کو بخش دے۔ یا اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسرا سوال اس دن کے لیے اٹھا رکھا جس میں تمام مخلوق میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اے پائے نظر ہوش میں آ، کوئے نبی ہے:

امام المحدثین مجتہد مطلق امام مالک بن انس مدینہ منورہ سے باہر جانا پسند نہیں کرتے کہ کہیں مدینہ منورہ سے باہر موت نہ آ جائے اور مدینہ عظمیٰ میں موت کی فضیلت مجھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کوئی سوچتا ہے کہ ہم اس پاکیزہ سرزمین پر قدم کیسے رکھیں، ہم گناہوں سے آلودہ وجود کو لے کر اس سرزمین پاک میں کیسے داخل ہوں۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

علامہ ابن حاج مالکی عبدری فاسی (م ۷۳۷ھ) نے تحریر فرمایا {قد جاء بعضھم الی زیارتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یدخل المدینۃ-بل زار من خارجھا ادبًا منہ رحمہ اللہ تعالیٰ مع نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم-فقیل لہ الا تدخل؟ فقال-اَمِثْلِیْ یَدْخُلُ بَلَدَ سَیِّدِ الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ لا اَجِدُ نَفْسِیْ تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ} (المدخل ج ۱ ص ۲۵۴- دار الکتاب العربی بیروت)

ترجمہ: بعض صالحین زیارت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کیلئے حاضر ہوئے تو شہر مدینہ منورہ میں داخل نہ ہوئے، بلکہ اپنی جانب سے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب کرتے ہوئے مدینہ منورہ کے باہر سے زیارت کر لی۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ پس ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ اندر نہ جائیں گے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ کیا مجھ جیسا آدمی حضرت سید دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہر میں داخل ہوگا؟ میں اپنے اندر اتنی قدرت نہیں پاتا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند جنید و بایزید اینجا

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے:

(۱) ہندوستان کے مسلم سلاطین کی اکثریت متبع شرع اور ان میں سے بعض اولیائے کاملین میں سے اور بعض اعلیٰ درجے کے عشاق رسول گذرے ہیں۔ سلطان اورنگ زیب علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۰۲۸ھ-۱۱۱۸ھ) کا شمار مجددین میں ہوتا ہے۔ سلطان شمس الدین التمش (م ۶۳۳ھ) اولیائے کبار میں شمار کیے جاتے ہیں۔ سلطان محمود غزنوی (۳۶۱ھ-۴۲۱ھ) عشاق بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہ التحیۃ والثنا میں سر فہرست ہیں۔ ایک مرتبہ محمود غزنوی نے اپنے مشہور وزیر ایاز کے بیٹے کو اس کے اصلی نام "محمد" کی بجائے "ایاز کے بیٹے" کہہ کر پکارا۔ ایاز کو یہ راز سمجھ میں نہ آسکا اور اسے صبر بھی نہ ہو سکا، اس نے سلطان محمود غزنوی سے اس کا سبب دریافت کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے جواب دیا کہ میں اس وقت باوضو نہیں تھا، اس لئے میں نے یہ مبارک و مقدس نام زبان پر لانا مناسب نہ سمجھا۔

سبحان اللہ! سلاطین وقت بارگاہ نبوی میں اس قدر مؤدب تھے۔ آج کے مفلس قلاشوں کو دیکھو کہ حضرت شافع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمسری کے دعویدار ہیں، جبکہ وفا کیشان دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صدا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(۲) سلطان شمس الدین التمش (م ۶۳۳ھ) کے فرزند اصغر سلطان ناصر الدین محمود نے ہندوستان پر بائیس سال حکومت کی۔ سلطان ناصر الدین محمود (م ۶۶۴ھ) کے بارے میں مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ (م ۱۵۵۲ء) نے لکھا۔

"کہا جاتا ہے کہ ناصر الدین کے ایک مصاحب کا نام "محمد" تھا۔ بادشاہ اسے ہمیشہ اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک روز ناصر الدین نے اس مصاحب کو تاج الدین کہہ کر آواز دی۔ اس مصاحب نے اس وقت تو بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن بعد میں اپنے گھر چلا گیا اور تین روز تک بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ ناصر الدین اس مصاحب کو طلب کیا اور اس کی غیر حاضری کا سبب دریافت کیا۔ مصاحب نے جواب دیا۔ "آپ ہمیشہ مجھے "محمد" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ لیکن اس دن آپ نے خلاف معمول "تاج الدین" کہہ کر پکارا۔ میں نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شاید آپ کے دل میں میری طرف سے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے میں تین روز تک آپ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوا، اور یہ سارا وقت انتہائی پریشانی اور بے چینی کے عالم میں بسر کیا"۔

بادشاہ نے قسم کھا کر کہا۔ "میں ہرگز ہرگز تم سے بدگمان نہیں ہوں، لیکن میں نے جس وقت تم کو "تاج الدین" کے نام سے پکارا تھا، اس وقت میں باوضو نہیں تھا۔ مجھے یہ مناسب نہ معلوم ہوا کہ بغیر وضو "محمد" کا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں"۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۸۹- اشرفی بکڈپو دیوبند)

گذاری عمر میں نے آب کوثر کی تمنا میں
زباں جب تک نہ دھلتا نام کیا لیتا پیمبر کا

ارشاد الٰہی {وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ} کا جلوہ دیکھو کہ سلاطین وقت بلا وضو میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام من اللہ المجیب کا اسم مبارک زبان پر نہیں لاتے اور آجکل بدمذہبوں کا ایک بڑا طبقہ حضرت حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو''اپنے جیسا بشر'' کہتا ہے اور انہیں شرم بھی نہیں آتی۔ اعاذنا اللہ من شرورہم۔ آمین

دھوکے میں نہ آجائے کہیں فکر وآگہی
تاجدار کائنات لباس بشر میں ہیں

اے بندگان الٰہی! ہم تو حضرت رحمت دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور ان کی ناموس پر مرمٹنے کے لیے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ رب تعالیٰ نے عشق مصطفوی اور تعظیم نبوی کو اہل سنت وجماعت کے خمیر میں مخلوط فرمادیا ہے۔

ہے محبت سے عبارت میری فطرت کا خمیر
میں وفا کے واسطے ہوں اور وفا میرے لیے
مجھے کیوں فکر ہو اختر میرے یاور ہیں وہ یاور:

رب تعالیٰ کا کروڑوں شکر کہ ہمارے سروں پر حضرت تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس ہے، وہی ہمارے ماویٰ وملجا ہیں۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں {وَتَحْمِلُ الْکَلَّ وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ} (صحیح البخاری جلد اول کتاب الوحی) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کمزوروں کا بوجھ اٹھانے والے اور محتاجوں کے لئے کمانے والے ہیں۔ یعنی حضرت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے سہاروں کے سہارا ہیں۔

قرآن مجید میں ہے {وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ} یعنی آپ مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہ کریں۔ جب تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہرگز کسی سائل کو محروم نہ فرمائیں گے، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ قرآن ہی کی مثل ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا {کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ} (مسند احمد بن حنبل ج۶ ص۹۱- مستدرک علی الصحیحین للحاکم ج۲ ص۱۴۵- المعجم الکبیر للطبرانی ج۲۰ ص۲۵۵- دلائل النبوۃ للبیہقی ج۱ ص۳۰۹) اور قرآن مقدس میں ہے {اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ} یعنی آپ کے اخلاق بڑے بلند رتبہ ہیں۔

چونکہ ہماری دنیا وآخرت کے تمام امور دربار اعظم سے منسلک ہیں۔ نعمت خداوندی انہیں کے دست مبارک سے کائنات کو ملتی ہے۔ دربار اعظم میں جو کوئی بھی ادب وتعظیم کے ساتھ حاضر ہوا، بے حساب پایا۔ حضرت سرور دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا {اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِی} (صحیح البخاری ج۱ ص۱۶) یعنی اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرماتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ اب کائنات عالم کی ایسی بے مثل وبے مثال اور منفرد ویگانہ ہستی کا تذکرہ شروع ہو تو زبان خلق بند نہیں ہوتی۔

کبھی جب ذکر چھڑ جاتا ہے ان کا
زباں ہوتی نہیں دو، دو پہر بند

لیکن ان کی کامل معرفت نہ مجھے حاصل ہے، نہ مخلوقات میں سے کسی اور کو۔ پس انجام کار ہم بھی وہی کہتے ہیں جو صدیوں قبل علامہ عبدالرحمن جامی (۸۱۷ھ-۸۹۸ھ) کہہ چکے۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر
من وجهک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقک
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

شیخ سعدی شیرازی (۵۸۹ھ-۶۹۱ھ) نے دربار اعظم میں عرض کیا۔

چہ وصفت کند سعدی ناتمام
علیک الصلوٰۃ یا نبی والسلام

ارباب دل کے لیے اپنے دل کی بات علامہ فضل حق خیرآبادی (۱۷۹۷ء-۱۸۶۱ء) نے اس طرح بیان فرمائی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہی کیفیت تھی۔

یاسائلاً عن شانہ یغنیک عن تبیانہ
دمع جری فی شانہ هملاً و فرطانانہ

اس ذات ستودہ صفات کی وصف بیانی کرتے ہوئے مجھے جو مسرت وشادمانی محسوس ہورہی ہے، الفاظ کے ذریعہ ان احساسات کی نقاشی نہیں کی جاسکتی اور حروف وکلمات ان کیفیات کی صورت گری نہیں کر سکتے۔ حضرت حبیب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بزبان عربی ایک قصیدہ مدحیہ میں نے بھی نظم کیا ہے جو ہماری کتاب قانون شریعت (شافعی) میں طبع ہو چکا ہے۔ اسی طرح میں نے اپنی کتاب ''البرکات النبویۃ فی الاحکام الشرعیۃ'' میں بھی منظوم ومنثور مدحت سرائی کی ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ وبعطاء حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تادم تحریر میری تصانیف کی تعداد پچھتر (۷۵) سے زائد ہو چکی ہے اور بتوفیق الٰہی میری ہر تصنیف کا مقدمہ یا ابتدائیہ ''مدح مصطفوی'' پر مشتمل ہوتا ہے، تاکہ حضرت تاجدار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبول فرما کر اپنے دریوزہ گر کو انعامات شاہانہ سے سرفراز فرمائیں۔ حالانکہ تصنیف وتالیف کے قواعد وقوانین اس طرز بدیع سے متصادم ہوتے ہیں لیکن ان اصول وضوابط کی پابندی سے مجھے کیا فائدہ؟ جبکہ دوسری جانب ''انما انا قاسم واللہ یعطی'' کا جلوۂ سدابہار غلاموں کا کشکول خالی نہیں ہونے دیتا۔ فالحمد لربی علیٰ ذلك حمدًا وافرًا والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبی دائماً ابداً وعلیٰ آلہ واصحابہ سرمدا

☆☆☆

صفحہ 9 کا بقیہ:

حل اشکال

علامہ نووی نے اس کا یہ جواب دیا کہ آپ کا دل یاد الٰہی میں بیدار تھا لیکن وقت فجر کو دیکھنے کا تعلق آنکھوں سے ہے اور وہ نیند میں تھی، یعنی قلب رسالت جو معقولات اور انوار وتجلیات کا مرکز اور منبع ہے وہ بیدار تھا اور محسوسات اور مبصرات کے ادراک کا تعلق آنکھوں سے ہے وہ محو خواب تھیں۔ علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب احوال میں دل جاگتا رہتا تھا لیکن کبھی کبھی آپ پر عام انسانوں کی طرح نیند وارد ہوتی تھی جس میں دل بھی محو خواب ہوتا تھا اور یہ ایسے ہی احوال میں سے ہے۔ کیونکہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: ان اللہ قبض ارواحنا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری روحیں قبض کر لی تھی۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: لو شاء اللہ لا یقظنا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہمیں بیدار کر دیتا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ دل کے جاگنے کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ کی آنکھیں سوتی تھی تو نیند قلب پر مستغرق نہیں ہوتی تھی حتی کہ وضو ٹوٹ جائے۔ کیوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ سو جاتے تھے لوگ آپ کے خراٹے سنتے تھے، اس کے بعد بلال کی اذان سن کر بغیر وضو کے نماز پڑھانے چلے جاتے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ دل اس لیے جاگتا رہتا ہے کہ نیند میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی ہے، اور آپ کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں لہٰذا دل کی بیداری کا معاملہ صرف وحی ربانی سے رابطہ ہے۔ فجر کے طلوع اور عدم طلوع کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (عمدۃ القاری)

از: مولانا حسان المصطفیٰ قادری، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ نوری بشر ہیں۔۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نور سے پیدا فرمایا یعنی صورت کے اعتبار سے بے مثل بشر اور حقیقت کے اعتبار سے نور۔ ہمارے اس نظریہ پر آیات کریمہ، احادیث صحیحہ، مفسرین ومحدثین وائمہ دین متین کی تصریحات بینہ، فرمودات صریحہ واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔

سورۂ مائدہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔'' (سورۂ مائدہ، آیت ۱۵) بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا اور روشن کتاب۔ اس آیت میں نور سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی الشہیر بالخازن تفسیر خازن میں فرماتے ہیں۔ ''قد جاء کم من اللہ نور یعنی محمدا'' (سورہ مائدہ، آیت نمبر ۱۵، ص ۲۴) امام فخر الدین رازی شافعی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں: ''المراد بالنور محمد وبالکتاب قرآن۔'' (سورہ مائدہ، آیت ۱۵، ص ۱۸۹) یعنی نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے اور کتاب سے قرآن۔

مذکورہ آیت وتفسیرات سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ اور بلاشبہ آپ اللہ عزوجل کے نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد رشید اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاذ اور امام بخاری وامام مسلم کے استاذ الاستاذ، عظیم محدث علامہ عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مشہور ومعروف، معتبر ومستند کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے:

''قال قلت یا رسول اللہ بأبی أنت وأمی أخبرنی عن أول شئ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء؟ قال: یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ فجعل ذلك النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالیٰ ولم یکن فی ذلك الوقت لوح ولا قلم ولا جنۃ ولا نار ولا ملك ولا سماء ولا أرض ولا جنی ولا انسی۔ الخ''

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتائیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی؟ حضور نے ارشاد فرمایا: اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ وہ نور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جہاں چاہا گھومتا رہا، اس وقت نہ لوح وقلم تھا، نہ جنت وجہنم، نہ

زمین وآسمان، نہ فرشتہ، نہ جنات وانسان الخ۔(صلاۃ الصفافی نور المصطفیٰ،ص۳)

اس حدیث کو جلیل القدر محدثین ومعتمد ائمہ دین نے اپنی معتبر ومستند کتابوں میں نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ احمد خطیب قسطلانی شارح بخاری المواہب اللدنیہ میں (۷۱/۱،۷۲)علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں(۳۷۵/۲)علامہ دیار بن بکری تاریخ خمیس میں(۲۲/۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں(۲/۲) ،علامہ فاسی مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں(ص۱۲۲)اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی اپنے رسالہ صلاۃ الصفافی نور المصطفیٰ میں(ص۳)۔

ان کے علاوہ علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں،علامہ ابن حجر عسقلانی شرح شمائل ترمذی میں،علامہ ابن حجر مکی افضل القریٰ میں اور دیگر محققین ومحدثین نے اپنی کتب معتمدہ میں مذکورہ حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر استدلال کیا ہے۔اور ائمہ حدیث کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جب کسی حدیث سے علمائے معتمدین استدلال کرلیں تو وہ حدیث صحیح ،مقبول،لائق استناد ہوجاتی ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے،نورانیت مصطفیٰ کے منکرین اس وہم میں ہیں کہ مذکورہ حدیث صحیح نہیں۔کیوں کہ جتنے لوگوں نے اسے اپنی کتابوں میں نقل کیا کسی نے سند پیش نہیں کی۔

حالانکہ علمائے اصول حدیث فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی سند پر کوئی کلام ہو یا سند قابل اعتماد نہ ہو لیکن ارباب علم کے نزدیک مقبول ہو،اہل علم اس پر عمل کریں اور اس سے استدلال کریں تو وہ حدیث صحیح اور قوی ہوجاتی ہے۔امام جلال الدین تعقبات میں امام بیہقی سے نقل کرتے ہیں:''قد صرح غیر واحد بأن من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن اسناد یعتمد علی مثلہ''(التعقبات ص۱۲) کتنے ہی علمائے کرام نے صراحت کی ہے کہ اہل علم کا قول وتعامل صحت حدیث کی دلیل ہے اگر چہ قابل اعتماد سند نہ ہو۔صاحب مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے تعلق سے امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہیں کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ اس حدیث پر اہل علم کا عمل ہے گویا امام ترمذی اہل علم کے عمل سے حدیث کی تقویت مراد لے رہے ہیں۔''والعمل علی ھذا عند اھل العلم'' آگے فرماتے ہیں:''فکأن الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم۔'' (۲۰۰/۳)

ثانیا متعدد علمائے معتمدین نے مذکورہ حدیث کی صحت کی صراحت کی ہے۔چنانچہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:''قد خلق کل شئ من نورہ صلی اللہ علیہ وسلم کما وردبہ الحدیث الصحیح''(ج۲ص۳۷۵)یقینا ہر چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی ہے،جیسا کہ اس تعلق سے حدیث صحیح وارد ہے۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس کی تصحیح فرمائی ہے۔لکھتے ہیں:درحدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ماخلق اللہ نوری وسائر مکونات علوی وسفلی ازاں نور''(مدارج النبوۃ ج۲ص۲)

اس کے علاوہ علامہ عبدالباقی زرقانی کی عادت ہے کہ المواہب اللدنیہ میں مسطور کسی حدیث پر کچھ قیل قال ہوتا ہے تو ضرور اسے بیان فرماتے ہیں۔المواہب اللدنیہ میں یہ حدیث مرقوم ہے،اس حدیث کی سند ومتن پر کچھ کلام ہوتا،سند میں نقص وعیب ہوتا یا محدثین کے نزدیک قابل قبول نہ ہوتی تو آپ ضرور ذکر کرتے۔اس حدیث پر کسی طرح کا کلام نہ فرمانا،دلیل ہے کہ مذکورہ حدیث ان کے نزدیک لائق اعتماد وقابل استناد ہے۔ (ملخصا فتاویٰ شارح بخاری)

ان تمام تصریحات وتصحیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث پر کوئی کلام نہ کیا جائے اور اس کی صحت کو بلا چوں چرا اں تسلیم کرلیا جائے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کو تلقی علما بالقبول بھی حاصل ہے اور تلقی علما بالقبول خود صحت حدیث کی دلیل ہے، اس کے بعد سند کی کچھ حاجت نہیں ہوتی۔ "فان الحدیث یتقوی بتلقی الائمۃ بالقبول کما اشار الیہ الامام الترمذی فی جامعہ وصرح بہ علمائونا فی الاصول۔" (صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ، ص ٦)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: "بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے، تو بلا شبہ حدیث حسن، صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علما بالقبول وہ شئ عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں ہوتی۔" (صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ، ص ۴)

علماے کرام کے ارشادات صریحہ اور فرمودات بینہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم بلا شبہ نور ہیں۔ مگر بنام مسلم کچھ ایسے لوگ بھی اس زمین پر موجود ہیں جو حضور کے امتی ہونے کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن حضور کی توہین وتنقیص میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ کبھی اپنے جیسا بشر کہنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔ اور کبھی آپ کی نورانیت پر بے جا اعتراض کرتے ہیں۔

قارئین پر واضح ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل بشریت پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ اہل سنت و جماعت میں سے کسی فرد نے کبھی حضور کی بے مثل بشریت کا انکار نہ کیا۔ بشریت تمام امت کا اتفاقی عقیدہ ہے۔ کسی کا اختلاف نہیں، البتہ حضور کی نورانیت پر کچھ لوگوں کو اختلاف ہے۔ چنانچہ اختلاف "نور ہونے اور نور نہ ہونے" میں ہے، تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ مدار گفتگو "نور ہونے" اور "نور نہ ہونے" پر ہو۔ ہم پر یہ لازم کہ ہم نور ہونے پر دلیل پیش کریں اور مخالفین پر یہ لازم کہ نور نہ ہونے پر دلیل پیش کریں۔ ہم اہل سنت و جماعت فرمان رب العالمین، اقوال مفسرین، ارشادات محدثین و محققین سے اپنا موقف ثابت کرتے ہیں۔ مخالفین پر واجب تھا کہ نور نہ ہونے پر کلام کریں، نور نہ ہونے پر دلائل وشواہد پیش کریں۔ لیکن "نور نہ ہونے" کی صراحت نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، نہ اقوال صحابہ وتابعین میں، نہ تفسیرات ائمہ دین میں۔ ان کے پاس اپنے موقف ونظریے پر کوئی دلیل، کوئی حجت نہیں۔ جب ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا تو انہوں نے اپنے موقف ونظریے سے جدا ہو کر اور موضوع سے ہٹ کر، دوسری بحث شروع کردی کہ حضور بشر ہیں، بشریت بشریت کی رٹ لگائی، قل انما انا بشر کے ذریعہ نور نہ ہونے پر خوب واویلا مچایا۔ حالانکہ یہ اتفاقی امر ہے، بشر ہونے میں اختلاف ہی نہیں تو اس آیت انما انا بشر کے ذریعہ انتفائے نورانیت پر استدلال کرنا انتہائی درجہ کی بے عقلی، جہالت و بے علمی ہے، بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔

بشریت اور نورانیت میں تضاد نہیں:

واضح ہو کہ بشریت اور نورانیت میں رات اور دن کی طرح تضاد نہیں کہ ایک ثابت ہو جائے تو دوسرے کی نفی ہو جائے، بلکہ دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ مخالفین کا نورانیت اور بشریت کو ضد کے طور پر پیش کرنا سراسر غلط ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی نورانیت پر سب کا اتفاق ہے، لیکن جب آپ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے تو انسانی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ اور قرآن عظیم میں آپ کو بشر کہا گیا۔ فرمان الٰہی ہے: "فَاَرْسَلْنَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔" (سورۂ مریم، آیت ١٧) مذکورہ آیت میں حضرت جبریل علیہ السلام پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اگر نور اور بشر آپس میں ضد ہوتے تو حضرت جبریل علیہ السلام پر بشر کا اطلاق نہ ہوتا۔

مخالفین صرف نورانیت کے منکر نہ ہوئے بلکہ جب ان کا جذبۂ حسد وعناد اور بھڑکا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''محض بشر'' یا ''اپنی طرح بشر'' اور ''بڑا بھائی'' کہہ دیا اور اپنے اس باطل نظریے کی تائید میں وہی آیت کریمہ انما انا بشر مثلکم کو بطور دلیل پیش کیا۔ آیئے اس آیت کریمہ کا تجزیہ کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کو ایسا حکم کیوں دیا۔ یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود کے ساتھ مناظرہ ہوا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرا اللہ وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے حکم دیا، فوراً دو شخص لائے گئے، نمرود نے ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ میں بھی رب ہوں کیوں کہ میں بھی جلاتا ہوں اور مارتا ہوں۔ نمرود کی جہالت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کر، یہ سن کر نمرود مبہوت ہو گیا۔ (سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۸ تفسیر) اس واقعہ سے کوئی عام انسان یہ مفہوم اخذ کر سکتا ہے کہ سورج کو مغرب سے نکال دینا الٰہ ہونے کی دلیل ہے اور یہ کسی انسان کی قدرت واختیار میں نہیں۔

مگر غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت مقام صہبا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی معجزہ کر دکھایا۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما السلام کے معجزات دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شریک اور بیٹا کہنے لگے۔ (سورۂ توبہ، آیت ۳۰) حسن یوسف کو دیکھ کر کہا جانے لگا کہ یہ انسان نہیں ہیں۔ (سورۂ یوسف، آیت ۳۱) ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام انبیائے کرام، رسولان عظام کے کمالات ومعجزات کی جامع تھی۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عظیم ترین معجزات کا صدور ہونے والا تھا، عقل انسانی کو حیرت واستعجاب میں غرق کرنے والے کمالات کا ظہور ہونے والا تھا اور ہوا۔ اب اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ لوگ حضور کو خدا نہ تسلیم کر لیں یا خدا کا بیٹا یا رشتہ دار نہ سمجھ لیں۔ قرآن مجید کی آیت نازل ہوگئی، لوگوں کو متنبہ کر دیا گیا، اللہ نے حکم دے دیا: ''قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی'' (سورۂ کہف، آیت ۱۱۰) اے محبوب فرما دو کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ (کنز الایمان) اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ہوں، لیکن اس آیت سے کوئی مثلیت نہ ثابت کرے اس لیے ارشاد فرمایا: یوحیٰ الیّ'' مجھے وحی کی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ کے تمام گوشوں، زاویوں پر بحث کرنا، مکمل اسرار ورموز بیان کرنا، حضور کی بے مثل بشریت پر تمام اقوال و براہین احاطۂ تحریر میں لانا تفصیل طلب ہے۔ عقل وشعور والے کے لیے حضور کا یہ ارشاد ہی کافی ہے: ''و ایکم مثلی'' تم میں کون میری طرح ہے۔ ''انی لست مثلکم'' میں ہرگز تمہاری مثل نہیں۔ ''لست کأحد منکم'' میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں۔ (بخاری شریف، کتاب الصوم، ص ۲۶۳) اس فرمان عالی شان سے خوب روشن ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز ہماری طرح بشر نہیں، بلکہ ہماری عقل وفہم سے ماوراء ہیں، بلکہ باری تعالیٰ کے سوا آپ کی حقیقت سے کوئی واقف ہی نہیں۔ خود ارشاد فرماتے ہیں: ''یا ابابکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی'' اے ابوبکر میرے رب کے سوا میری حقیقت سے کوئی واقف نہیں۔ اب ہمارا موقف آفتاب وماہتاب سے بھی زیادہ روشن وتابناک ہو گیا۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں جہالت وضلالت سے محفوظ ومامون رکھے، اپنے حبیب اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے قلوب واذہان کو منور ومجلّٰی کرے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

❁❁❁

حسن مصطفوی اور حسن یوسفی کے امتیازات و خصائص

مولانا عبد الخبیر اشرفی مصباحی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُوحانی کمالات وخصائص اور باطنی فضائل ومحامد منفرد و بے مثال ہیں اسی طرح آپ کا بے مثل حسن و جمال بھی نرالا ولا جواب ہے۔حسن و جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ کرنا زبان وقلم کی بس سے باہر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ظاہری و باطنی محامد ومحاسن کی جامع ہے، زمین وزماں اور مکین ومکاں کا ہر ذرہ پرتوِ حسنِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے فیض یاب ہے، کائناتِ رنگ وبو کی ہر حسین شئ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے حسن کی خیرات ملی ہے۔بس یوں کہیے کہ اللہ عزوجل نے اَنبیائے سابقین کے جملہ شمائل وفضائل اور محامد ومحاسن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اَقدس میں جمع فرما دیئے ہیں، آپ کی ذاتِ اقدس افضلیت واکملیت کا معیارِ آخر ہے۔ اس لحاظ سے حسن و جمال کا معیارِ آخر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا حسین و جمیل تھے، دِلکشی و رعنائی آپ کی ذات سے پھوٹی پڑتی تھی، آپ کی ذات حسن وخوبی کی جامع تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَعضائے مبارکہ کی ساخت اِس قدر مثالی اور حسنِ مناسبت کی آئینہ دار تھی کہ اُسے دیکھ کر ایک حسنِ مجسم، پیکرِ اِنسانی میں ڈھلتا دکھائی دیتا تھا۔جسدِ اطہر کی خوبصورتی اور رعنائی وزیبائی اپنی مثال آپ تھی۔اللہ عزوجل نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے مثل اور تمام عیوب ونقائص سے مبرّا تخلیق کیا تھا۔

أجمل منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كأنك قد خلقت كما تشاء

آپ سے زیادہ حسین میری نظروں نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور آپ سے زیادہ خوبصورت عورتوں نے جنا ہی نہیں، آپ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں گویا آپ اپنی خواہش پر پیدا گئے ہیں۔

حسن و جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعنائیاں

آیئے! وارفتگان جمال محمدی نے اپنے محبوب کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر اپنے جذبات کا کس طرح سے اظہار کیا ہے؟ اس کی ایک جھلک احادیث مبارکہ کے جھروکوں سے دیکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”ما رائيت احسن من رسول الله كأن الشمس تجري في وجهه واذا ضحك يتلألأ في الجدر“ [ا] میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب آپ کے رخ انور پر روشن ہے، آپ جب ہنستے تھے تو اس کی روشنی سے دیواریں روشن ہو جاتی تھیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”قال له رجل كان وجهه صلى الله عليه وآله وسلم مثل السيف فقال: لا، بل مثل الشمس والقمر وكان مستديرا“ [۲] ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور تلوار کی طرح چمکدار تھا، آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور آفتاب و ماہتاب کی طرح گول تھا۔

حضرت ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”يتلألأ وجهه تلألأ القمر ليلة البدر“ [۳] رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رخ انور یوں چمکتا تھا جیسے چودھویں کا چاند چمکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”من رآه بداهة هابه و من خالطه معر فة أحبه“ [۴] جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک دیکھتا وہ ہیبت زدہ ہو جاتا اور جو آپ کے ساتھ میل جول کرتا وہ محبت کرنے لگتا۔

جس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعنائیوں کو دیکھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوا ”لم أر قبله ولا بعده مثله“ ایسا حسن مجسم نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ ہی بعد میں کبھی دکھائی دے گا۔ [۵]

حسن یوسف علیہ السلام کی تابشیں

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے بے پناہ حسن و جمال سے نوازا تھا، آپ کے حسن و جمالِ خداداد کے سامنے حسینانِ عالم سرنگوں نظر آتے ہیں، آپ کا حسن و جمال سارے حسینانِ عالم کے حسن و جمال کے برابر ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ إِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ“ [٦] ......شب معراج تیسرے آسمان کا دروازہ ہمارے لیے کھولا گیا، میری ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی، ان کو حسن جمال کا آدھا حصہ دیا گیا ہے، انھوں نے میرا استقبال کیا اور میرے لیے دعا کی۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ”كان فضل حسن يوسف على الناس، كفضل القمر ليلة البدر على نجوم السماء“ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کی لوگوں پر اس قدر فضیلت تھی جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر فضیلت ہوتی ہے [۷]

امام ابن منذر، امام ابو الشیخ، امام طبرانی نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا اور جب کوئی عورت ان کے پاس کسی کام سے آتی تو آپ علیہ السلام اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیتے تھے تا کہ وہ عورت کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ [۸]

حسن یوسف علیہ کی تابشیں اس قدر فروزاں تھیں کہ مصر کی عورتیں وارفتگی میں آ گئیں، لیموں کاٹنے کی بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اور شعاع یوسفی نے انھیں اس کا احساس بھی ہونے نہ دیا، یہ عورتیں جمال یوسفی کا تاب نہ لا سکیں، حضرت یوسف علیہ السلام کی بشریت سے انکار کر دیا اور ایک زباں ہو کر بولیں یہ کوئی معزز فرشتہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ”فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وٰحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ“ تو

جب زلیخانے ان کا چکرواسنا تو ان عورتوں کو بُلا بھیجا، اوران کے لئے مسندیں تیار کیں، اوران میں ہرایک کو ایک چھری دے دی ، اور یوسف سے کہا: ان پر نکل آؤ، جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں، اوراپنے ہاتھ کاٹ لئے، اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنسِ بشر سے نہیں، یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔[۹]

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں

جمالِ مصطفوی وحسن یوسفی کے ممیزات:

اللہ عزوجل نے جملہ انبیاومرسلین کو حسن صورت وحسن صوت عطافرمایا۔ حضرت امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: "**ما بعث اللہ نبیاً إلا حسن الوجہ حسن الصوت، وکان نبیکم أحسنھم وجھاً وأحسنھم صوتا**"[۱۰] اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اچھی صورت اور اچھی آواز کے ساتھ مبعوث فرمایا نبی اکرم ﷺ ان میں سب سے حسین اور خوش گلو ہیں۔

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حسن یوسف علیہ السلام کے تعلق سے وارد احادیث میں حضرت نبی کریم ﷺ شامل نہیں ہیں چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "**فیحمل حدیث المعراج علی أن المراد غیر النبی صلی اللہ علیہ و سلم**" [۱۱] معراج والی جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن دیئے جانے کا ذکر ہے اس میں نبی کریم ﷺ شامل نہیں ہیں۔ آپ کا حسن اکمل واتم اور حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حسنِ عالم کا نصف یا اس سے کم۔

ایک قول یہ ہے کہ حسنِ یوسف علیہ السلام حسن مصطفی ﷺ کا نصف ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابن منیر کے حوالہ سے لکھا ہے: "**فقد حملہ ابن المنیر علی أن المراد أن یوسف أعطی شطر الحسن الذی أوتیہ نبینا صلی اللہ علیہ و سلم**" ابن منیر نے کہا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کے حسن کا نصف ملا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، حسن عالَم کا نصف نہیں بلکہ حسنِ حضرت آدم علیہ السلام کا نصف ہے جیسا کہ امام ابوالقاسم سہیلی نے کہا ہے: "**أن یوسف کان علی النصف من حسن آدم علیہ السلام، فإن اللہ خلق آدم بیدہ علی أکمل صورۃ وأحسنھا، ولم یکن فی ذریتہ من یوازیہ فی جمالہ، وکان یوسف قد أعطی شطر حسنہ**"[۱۲] حسن یوسف علیہ السلام حسن آدم علیہ السلام کا نصف ہے، اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے حسن وصورت کے اعلیٰ معیار پر پیدا فرمایا، ذریت آدم علیہ السلام میں کسی کا حسن، حسن وجمالِ آدم علیہ السلام کے برابر نہیں تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ آدم کا نصف حصہ دیا گیا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظاہری حُسن وجمال کئی پردوں میں مستور تھا، مگر پھر بھی دیکھنے والا آپ ﷺ کی وجاہت اور بے پناہ حسن وجمال سے مبہوت ہو کر رہ جاتا، حسن یوسف علیہ السلام کو مخلوق سے پوشیدہ نہیں رکھا گیا، جس نے دیکھا مکمل صنعت خداوندی کا نظارہ کیا۔ علامہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ نے صاحب مرقات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: "حضور کے چہرے میں درودیوار ایسے نظر آتے تھے جیسے آئینہ میں اور فرمایا کہ حسن مصطفی کما حقہ صحابہ کو نہیں دکھایا گیا کہ کسی میں اس کے دیکھنے کی طاقت نہ تھی مگر حسن یوسفی کما حقہ سب کو دکھا دیا گیا"[۱۳]

حسنِ یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسنِ مصطفی

علامہ مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ ایک دوسری جگہ یوں رقم طراز ہیں: "ایک یہ کہ تمام حسین صرف انسانوں کے محبوب ہوئے، حضور انور انسان، جن، لکڑی، پتھر، جانوروں کے بھی محبوب ہیں یعنی خدائی کے محبوب ہیں کیونکہ خدا کے محبوب ہیں، دوسرے یہ کہ

دوسرے محبوبوں کو ہزاروں نے دیکھا مگر عاشق ایک دو ہوئے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ آج ان کا دیکھنے والا کوئی نہیں اور عاشق کروڑوں ہیں''[۱۴]

مزید تحریر فرماتے ہیں ''سارے حسینوں کا یہ حال ہے کہ انہیں دیکھا ہزاروں نے مگر عاشق ہوا ایک۔ حسن یوسف کی عاشق صرف زلیخا، لیلیٰ پر فریفتہ صرف مجنوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے حسین ہیں کہ آج انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں مگر جاں نثار عاشق لاکھوں، حسن یوسفی صرف بازار مصر میں چمکا، حسن محمدی ہر جگہ تا ابد چمک رہا ہے''۔[۱۵]

حسن مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مثال نہیں ہے، نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں ہوسکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس مظہرِ حق کی شان عظیم ہے، اس لیے اس چہرہ انور کے دیدار کو عین دیدارِ حق قرار دیا گیا، حدیث شریف میں ہے ''من رآنیفقدرائ الحق فان الشیطان لایتکو ننی''[۱۶] جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا کیوں کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کرسکتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال حسن دنیا میں بھی موجود تھی اور آخرت میں بھی موجود ہوگی، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال دنیا میں عام و تام تھا، بعض اہل دنیا جیسے حضرت عبداللہ ابن جریر کے بارے میں روایت آئی ہے کہ وہ یوسف جمال تھے۔ ایک ضعیف روایت میں ہے کہ اہل جنت صورت جمال یوسفی اور پیکر اخلاق محمدی میں ہوگے۔[۱۷]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن جاذب نظر، دل نشیں و دلکش اور مسحور کن تھا، آپ کی صورت زیبا ملیح اور جملہ تخلیقی رعنائیوں کا مرقع تھی، حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن سادہ، گورا اور روشن و درخشاں تھا۔

حوالے وحواشی

[۱] ابن عفیفی حضرمی، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، ج:۱، ص:۲۰۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت سن اشاعت ۲۰۰۴، اس حدیث کو قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے بھی شفا شریف میں درج کیا ہے۔

[۲] مسلم، حدیث نمبر ۶۲۳۰، باب شبیہ صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ دار الآفاق بیروت۔

[۳] علی متقی برہانپوری، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب حلیۃ صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۷، ص:۱۶۳، مطبوعہ بیروت سن اشاعت ۱۴۸۱

[۴] ترمذی، سنن الترمذی، باب ماجاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ سہارنپور۔

[۵] نفس مرجع نفس باب۔

[۶] مسلم، الصحیح لمسلم، حدیث نمبر ۴۲۹، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السماء، مطبوعہ دار الآفاق بیروت۔

[۷] ایک روایت جسے امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے اس میں نصف حسن میں حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ بھی شریک ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''أعطی یوسف و أمه شطر الحسن'' حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو نصف حسن دیا گیا۔ ایک روایت میں حضرت یوسف اور ان کی والدہ کے لیے ایک تہائی حسن کا ذکر آیا ہے، اس روایت کو امام احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے: ''أعطی یوسف و أمه ثلث الحسن'' حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ کو ثلث حسن دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے سلسلہ میں وارد احادیث و آثار کے لیے دیکھئے در منثور، ج:۴، ص:۵۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت سن اشاعت ۱۴۱۴ھ۔

[۸] در منثور، ج:۴، ص:۵۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت سن اشاعت ۱۴۱۴ھ۔

[۹] ترجمہ کنز الایمان، سورۂ یوسف:۳۱۔

[۱۰] ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج:۷، ص:۲۱۰، بات المعراج، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۷۹ھ۔

[۱۱] نفس مرجع نفس صفحہ۔

[۱۲] تفسیر ابن کثیر جلد:۴، ص:۲۸۵، مطبوعہ دار طیبہ سن اشاعت ۱۹۹۹۔

[۱۳] مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد ششم ص:۱۲۱، مکتبۃ المدینہ۔

[۱۴] مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح جلد چہارم ص:۳۵۵، مکتبۃ المدینہ

[۱۵] مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، جلد ششم ص:۱۶۰، مکتبۃ المدینہ

[۱۶] بخاری، کتاب التعبیر، حدیث نمبر ۶۵۹۶

[۱۷] تفسیر مقاتل ابن سلیمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵۰، ج:۳، ص:۲۴۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ / ۲۰۰۳۔

حجازِ مقدس: ترکی خدمات اور نجدی مظالم کا جائزہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

غلام مصطفیٰ رضوی

زندہ قومیں اپنے آثار وشواہد محفوظ رکھتی ہیں تاکہ مستقبل کے لیے تابناک شاہراہِ حیات مہیا ہو۔ ماضی کے ورثے کو ملحوظ رکھنے والے حال کے شامیانے میں مستقبل کی تعمیر کرتے ہیں۔ شان دار ماضی کی کڑیاں حال سے استوار ہوں تو مستقبل تابندہ ہوتا ہے۔ ہمارا ماضی بے مثال رہا ہے۔ ہادیِ اعظم فخرِ کون ومکاں باعثِ تخلیقِ انس وجاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوہ گری نے انسانیت کو ان اعلیٰ ترین اقدار سے روشناس کرایا کہ آپ کے نقوشِ قدم راہ بروراہ نما ٹھہرے۔ ہر شعبۂ حیات کو آپ کی ذاتِ بابرکت سے روشنی ملی اور انسانیت کو ظلم وستم کی زد سے بچ کر اسلام کی ٹھنڈی گھنیری چھاؤں میں پناہ لینے کا شرف حاصل ہوا۔ سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبینِ آدمیت کو اغیار کے در پر خمیدہ ہونے سے بچایا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلدِ امیں مکہ معظّمہ خطۂ حجاز میں جلوہ بار ہوئے اور ایمان کا سویرا ہوا ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

عظیم وشان دار ماضی رکھنے والی قوم نے جب بھی اپنے ماضی سے انحراف کیا اور ہادیِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے جادۂ حق وصداقت سے رُوگردانی کی تباہی وبربادی اور پستی وزوال سے دوچار ہوئی۔ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُلفت ومحبت وعقیدت کا رشتہ استوار رکھنے والوں نے دُنیا کی قیادت کی۔ فکر وشعور کی ہر بلند چوٹی پر اسلامی عظمتوں کے پھریرے لہرائے اور دنیا کو امن واخوت وسچائی کا درسِ تابندہ دے کر فکروں کو مہکاتے رہے، کردار کو چمکاتے رہے، خیالات کی بنجر وادیوں کو سیراب کرتے رہے۔ لیکن جہاں انحراف وبغاوت کا معاملہ ہوا وہیں سے زوال کا آغاز ہوا۔ عقیدہ وعقیدت سے کھلواڑ نے گلشن کو بنجر بنا ڈالا۔ جہاں گل ولالہ کی کاشت کرنی تھی وہاں تھوہڑ وکیکر اُگائے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ دل کی دُنیا سُونی ہوتی گئی اور عقیدے تباہ۔ جب محبتِ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نغمۂ جاں فزا سے تھکی تھکی روح کھل نہ اٹھے اور دل مضمحل ہی رہے تو سمجھ لو کہ عقیدے کا گلشن بنجر ہو چکا ہے اور ایمان کی فصل کاٹی جا چکی ہے۔ یہی کچھ یہود وانگریز کی ریشہ دوانیوں سے ہوا کہ دل بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے دور کیے گئے کہ ''تعظیم وتکریم'' کو ''شرک وبدعت'' اور ''توہین'' کو ''توحید'' سمجھا جانے لگا۔

تُرک بڑے بہادر وغیور مسلمان تھے، حجازِ مقدس جب اُن کے زیرِ خدمت آیا تو انھوں نے محبتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبات سے معمور ہو کر کتاب وسُنّت میں متعیّن کردہ مقاماتِ خصوصی [شعائر اللہ] کو نشان زد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ تاکہ یہ نقوشِ زرّیں توحید کے متوالوں کو عہدِ رفتہ کی یاد دلاتے رہیں اور عزم ویقیں کے طاق پر ایمان وایقان کے وہ دیے جلاتے رہیں جن کی روشنی میں تھکے تھکے قافلے عزمِ جواں وحوصلۂ تازہ سے ہم کنار ہوتے

ہیں۔اور تاریخ کے وہ محبت بھرے نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں جن سے عزم ویقیں کے نامعمول کتنے چراغ جل اٹھتے ہیں۔

صدیوں سے یہود وانگریز نے اسلامی مملکتوں میں تخریب کے بیج بونے کے لیے کدوکاوش کی۔اپنے جاسوسوں کے ذریعے برطانیہ نے ایسے افراد تیار کیے جن سے سامراجی خفیہ پالیسی کا نفاذ کروایا گیا جو اسلام کی بیخ کنی پر مشتمل تھی۔عربوں میں نسلی وقومی عصبیت پروان چڑھانے کی غرض سے لارنس آف عربیہ نے تگ ودو کی۔ترک اسلام کے سچے پاس بان تھے۔عربوں کو کہا گیا کہ تم فضل وشرف والے ہوترکی والوں کو تم پر حکومت کا کیا حق ہے؟ منافرت کی ہوا ساز گار ہوئی۔ادھر اپنے جاسوسوں کے ذریعے ذہنی وفکری تخریب کے تمام ہتھکنڈے آزمائے گئے۔آلۂ کار تیار کیے گئے۔محمد ابن عبدالوہاب برطانوی خفیہ پالیسی کا فکری طور پر تیار کردہ وہ شخص تھا جس نے اسلاف کی راہ سے انحراف کیا۔توحید کی آڑ میں رسالت کے تقاضوں کو پامال کیا۔تعظیم وتکریم کو شرک اور توہین کو توحید سمجھ بیٹھا۔جو اس کا مذہب قبول نہیں کرتا۔قتل وغارت سے کام لیتا۔خوں ریزی اس کی طبیعت ثانیہ تھی۔مولوی حسین احمد مدنی دیوبندی[صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند] لکھتے ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداءً تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا۔اور چوں کہ یہ خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا اس لیے اس نے اہلِ سنت والجماعت سے قتل وقتال کیا............الحاصل وہ ایک ظالم وباغی خوں خوار فاسق شخص تھا۔“

[الشہاب الثاقب،مطبوعہ مکتبۂ رحیمیہ دیوبند،ص ۵۴]

اس کے عقائد ونظریات کو”وہابیت“ سے جانا جاتا ہے۔جس کی اشاعت کے لیے حجاز سے ترکوں کے انخلا کے بعد حکومتِ سعودیہ سرگرم عمل ہے۔اسی کی دعوت کے لیے ان کے جہادی نیٹ ورک عرب سے ہند تک سرگرم عمل ہیں۔بائے وہابیت نے اپنے عقائد وافکار منوانے کے لیے مسلمانوں کو قتل کیا،بے گناہوں کو تہ تیغ کیا،وہی پیٹرن نام نہاد جہادی وہابی دہشت گرد اپنائے بیٹھے ہیں۔اسی وہابی فکر کے ابلاغ میں القاعدہ،پاکستانی طالبان،لشکر طیبہ،جمعیۃ الدعوۃ،جیش محمدی،سپاہِ صحابہ،داعش[ISIS]،حزب المجاہدین اور ان جیسی وہابی عسکری تنظیمیں متحرک وسرگرم عمل ہیں۔جو بموں،گولیوں،دھماکوں سے مزاروں،میلاد ونعت کی محفلوں اور بے گناہ مسلمانوں کو نشانہ بنا کر یہ سمجھتی ہیں کہ شرک وبدعت کو مٹا رہی ہیں۔اس طرح انسانیت کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں۔اور اپنی دہشت گردانہ فکر وعمل سے اسلام کو بدنام کیا جارہا ہے۔

دوسری طرف حجازِ مقدس میں اسلامی آثار کے انہدام کا سلسلہ ۱۹۲۵ء سے آج تک جاری ہے۔نوبت یہاں تک آئی کہ روضۂ مقدسہ کو منتقل کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔ستمبر ۲۰۱۴ء کے اوائل میں ڈیلی انڈیپنڈنٹ برطانیہ کے انٹرنیٹ ایڈیشن کے توسط سے یہ خبر مسلمانانِ عالم کے لیے بے چینی کا باعث بنی کہ سعودی حکومت کے ایک اسکالر نے گنبد خضرا کی شہادت اور روضۂ مبارکہ کی منتقلی کا منصوبہ ظاہر کیا۔
[http://www.independent.co.uk/news/world/middle-east/saudis-risk-new-muslim-division-with-proposal-to-move-mohameds-tomb-9705120.html]

اس کے فوراً بعد سعودی حکومت کی جانب سے یہ وضاحتی بیان سامنے آیا کہ:”قبر رسول کی منتقلی کے حوالے سے میڈیا پر آنے والی اطلاعات بے بنیاد ہیں۔البتہ دو سال پیش تر جب روضۂ رسول اور مسجد نبوی کی توسیع کے حوالے سے منصوبے کا آغاز ہوا تو توسیعی کمیٹی کے ماہرین نے یہ تجویز دی تھی اور ساتھ ہی علما سے اس پر رائے بھی طلب کی تھی۔ماہرین کا خیال تھا کہ مسجد نبوی کی شمال کی سمت سے توسیع اور دوسری منزل کی تعمیر سے روضۂ رسول متاثر ہوسکتا ہے۔علما نے قبر رسول کی منتقلی کی اجازت دی تھی مگر ساتھ ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ قبر مبارک کو کھولا نہیں جائے گا۔“[یہ خبر العربیہ ڈاٹ نیٹ نے اپنی اردو سروس میں ۵ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو اَپ لوڈ کی]

سعودی حکومت کی وضاحت مسلمانانِ عالم کے غم وجذبات کی وقتی تسلی کے لیے ہے ورنہ گزری نو دہائیوں میں کیسے کیسے جلیل القدر صحابہ واہلِ بیت اطہار و اولیاے اسلام کے مزارات شہید کر دیے گئے۔ کتنی ہی عظیم نشانیاں مٹا ڈالی گئیں اور اسلامی تاریخ کے مبارک نشانات کو اس بھونڈے انداز میں کھرچ ڈالا گیا کہ جس کی مثال ماضی کے کسی دور میں نہیں ملتی۔ شورش کاشمیری لکھتے ہیں:

''سعودی حکومت نے عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار، صحابۂ کرام کے مظاہر اور اہلِ بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر محفوظ کرنی چاہیے تھیں وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی کتبہ یا نشان نہیں۔''

[شب جائے کہ من بودم، مطبوعات چٹان لاہور، ص ۲۲]

یورپ اپنی تاریخی کڑیاں مربوط کرنے کی تگ و دو میں ویرانے کھودرہا اور کھنڈر تلاش کر رہا ہے۔ حرمین میں اسلامی آثار اپنے ہاتھوں سے مٹائے جارہے ہیں۔ اسلام کی زرّیں تاریخ کے نقوش کو اپنے ہی ہاتھوں سے برباد کیا جارہا ہے۔ موجودہ سعودی حکومت قیصر و کسریٰ کے طرز کی آمریت کا نمونہ ہے۔ دعویٰ کتاب وسُنّت کا ہے اور انگریز و یہود سے محبت واخوت ایسی کہ نگاہیں دنگ رہ جائیں۔ اسرائیل نے فلسطین پر جو مظالم کے پہاڑ توڑے دنیا چیخ اٹھی لیکن حکمرانِ سعود نہیں جاگے۔ وہ جاگتے بھی کیسے؟ عبدالعزیز ابن سعود نے اپنی حکومت کے قیام سے قبل ۲؍اگست ۱۹۱۵ء میں یہ معاہدہ برطانوی سامراج سے کیا تھا:

''حکومتِ برطانیہ اعتراف کرتی ہے کہ علاقہ جات نجد [وغیرہ..........] یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومتِ برطانیہ اس اَمر کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکورہ اور اس کی اولاد [یعنی آلِ سعود] ہیں اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے۔ لیکن ان ورثا میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب وتقرر کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنتِ برطانیہ کا مخالف نہ ہو۔''

اسی معاہدے میں فلسطین کا علاقہ یہودیوں کو دینے پر آلِ سعود کی رضا مندی کا اظہار بھی شامل ہے۔ [بحوالہ: نجدی تحریک پر ایک نظر، بہاء القاسمی دیوبندی، صفحہ ۷؍تا ۱۵]

یہود سے متعلق اپنے احساسات کو برطانوی جاسوسی ادارہ کے معتمد جان فلپی کی ترغیب پر عبدالعزیز آلِ سعود نے جو تحریر عربی میں مع دستخط دی تھی اس کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمن آلِ فیصل آلِ سعود برطانیہ عظمیٰ کے مندوب سر پرسی کاکس کے لیے ایک ہزار مرتبہ اس بات کا اعتراف واقرار کرتا ہوں کہ فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یا برطانیہ اس فلسطین کو جسے چاہے دیدے۔ میں برطانیہ کی رائے سے صبح قیامت تک اختلاف وانحراف نہیں کرسکتا۔''

[از افادات تاریخ آلِ سعود، مصنف ناصر السعید، ناشر منشوراتِ مکہ مکرمہ، طبع ۱۴۰۴ھ] خلافت تحریک ہندوستان کی رپورٹ میں شاہِ سعود کے حوالے سے ہے:

''اسے ۱۹۱۵ء کے معاہدہ کا اعتراف ہے۔''

[مسئلۂ حجاز، مطبوعہ ۱۹۲۶ء ممبئی، ص ۱۳۰]

اسی طرح سعودی حکومت کے آغاز میں ہی ۱۹۲۵ء میں برطانوی مسٹر فلپی کے آلِ سعود کے مشیر ہونے میں بھی انگریز کے خفیہ اغراض ومقاصد تھے۔ [مسئلۂ حجاز، صفحہ ۳۰]

ان شواہد کی روشنی میں دیکھیں کہ کس طرح حرمین میں یہود وانگریز کی مداخلت ہے، جن کے عزائم کیسے دل آزار ہیں۔ جن کے ہاتھوں کیسے عظیم وجلیل القدر صحابہ ومشاہیرِ اسلام کے مزارات شہید ہوئے۔

(بقیہ صفحہ 54 پر)

حافظ محمد ہاشم قادری مصباحی جمشید پور

بارہ ربیع الاول کو آنے والے محسنِ کائنات ﷺ نے انسانوں کے لیے جو دستورِ زندگی دیا وہ صرف دستور کی حد تک نہیں بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک ایک حکم پر عملی طور پر عمل فرما کر، دستورِ حیات کو نافذ کر کے دکھا دیا۔ حتی کہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو کوئی اس دستور کا عملی نمونہ دیکھنا چاہے وہ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی سیرت میں دیکھ لے اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی گزارے۔ ارشاد باری ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (ترجمہ: بے شک تمھاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ (مثال) ہے۔ یہ نمونہ اس کے لیے جو اللہ سے ملنے کی اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔ [القرآن، الاحزاب ۳۳/۲۱]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی تمھارے لیے ہر موڑ پر رہنمائی ہے اور ہر مرحلہ پر عمل کرنا اور ان کی تعلیمات پر کاربند ہونا اور تمھارے لیے رسول کی زندگی ہی نمونہ عمل ہے۔ اسی لئے اللہ نے اپنی مخلوق پر صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تا کہ وہ ارشاد خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائیں، ان پر ایمان لانے والے بھی ان کی زندگی کو نمونہ مان کر عمل پیرا ہوں۔

اس وقت دنیا جن حالات سے گزر رہی ہے اور انسانی آبادی ساری ترقیوں اور سہولتوں کے باوجود جن خطرات میں گھری ہوئی ہے، ظلم و زیادتی کی جو گرم بازاری ہے اور انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، مصر، عراق، ایران، پاکستان، افغانستان وغیرہ وغیرہ میں خون کی ارزانی ہے اس کا علاج اگر کہیں مل سکتا ہے تو اسی پیغامِ محمدی کے دستورِ حیات میں ہے۔

ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔ تاریخ انسانی میں یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کے ذاتی نام احمد اور محمد (ﷺ) ہیں۔ صفاتی نام بہت سے ہیں۔ مشہور نام ۹۹ ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔ مصطفی، مجتبیٰ، حامد، محمود، قاسم، صادق، امین ﷺ۔ آپ نے فرمایا، میں سید الاولین والآخرین اور خاتم النبیین ہوں۔ اسی لئے آپ کا لقب سید المرسلین، افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہے۔ ۵۷۱ء، بروز پیر بوقت صبح آپ مکہ میں پیدا ہوئے۔ بھولی بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے فلاح کی راہ دکھانے والا دستورِ زندگی لے کر آپ تشریف لائے جو ہر قوم و ہر ملک کے لوگوں کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔ اس دستورِ حیات میں نہ کالے گورے کا فرق رکھا گیا نہ عربی و عجمی کا، نہ امیر و غریب کا نہ بادشاہ و فقیر کا۔ کرۂ زمین پر جہاں کہیں بھی انسانی آبادی پائی جاتی ہے یہ دستورِ حیات سب کی رہنمائی کرتا ہے۔

حضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح الفاظ میں یہ

اعلان فرمایا: اے لوگو! خبردار ہوجاؤ کہ تمھارا رب ایک ہے اور بے شک تمھارا باپ (حضرت آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ کسی عرب کو غیر عرب پر اور کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر اور نہ سیاہ فام کو سفید فام پر فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا: اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ (تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں) [احمد بن حنبل، المسند جلد ۵، صفحہ ۴۱۱، حدیث نمبر ۲۳۵۳۶، کنز العمال، جلد ۵ صفحہ ۲۹، حدیث نمبر ۱۲۳۵۴]

اس طرح اسلام نے تمام قسم کے امتیازات اور ذات پات، رنگ، نسل، جنس، زبان، حسب ونسب اور مال و دولت پر مبنی تعصّبات کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور تاریخ میں پہلی بار تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے برابر قرار دیا۔ انسانی مساوات کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں، نسلوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ہر سال مکۃ المکرمہ میں ایک ہی لباس میں ملبوس حج ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی دستورِ حیات میں عزت وشرف کا معیار امیر وغریب، قوم وقبیلہ کو نہیں بلکہ حسنِ کردار (اخلاق) کو بتایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَا کُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰا کُمْ شُعُوبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ O (ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ القرآن، الحجرات ۴۹/ ۱۳)

اہم بات یہ ہے کہ پیدائشی لحاظ سے تمام انسان یکساں ہیں۔ انعاماتِ الٰہیہ سے سب انسان نوازے گئے مگر ان کا صحیح اور برمحل استعمال کر کے خدا کا خوف تقویٰ حاصل کرنے والا انجام کار میں سب سے بہتر وافضل ہے۔

مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''شکل وصورت کے لحاظ سے سب انسان برابر ہیں، آدم علیہ السلام ان سب کے باپ اور حوّا سب کی ماں ہیں۔'' اسی تخلیقی برابری کے باعث آدم وحوّا کی سب اولاد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ الگ الگ قومیں اور جدا جدا خاندانوں اور قبیلوں کا مصرف یہ ہے کہ انسانوں کو باہمی تعارف میں آسانی ہو اور ملنے جلنے میں سہولت ہو۔ قبیلے اور قوموں کے ذریعہ فخر و مباہات یا کسی کی تحقیر وتذلیل ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اسلام نے بھید بھاؤ کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ لیکن آج ترقی یافتہ کہلانے کے باوجود ساری دنیا خاص کر مغربی ممالک میں یہ عصبیت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جارہی ہے۔ طاقتور ممالک غریب اور مفلس علاقوں کو آج تک اسی طرح ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی کو لقمہ تر سمجھ کر ہڑپ کر جاتی ہے۔ جس طرح امریکہ کی سرزمین پر انسانوں کے جسم میں خون ہے اور وہاں کے انسان قابلِ قدر ہیں۔ بالکل اسی طرح باقی دنیا فلسطین، ویتنام، افغانستان، مصر، لیبیا، افریقی ممالک وغیرہ کے انسان بھی قابلِ عزت ہیں۔

بارہ ربیع الاوّل کو پیدا ہونے والے محسنِ کائنات کا پیغام ماننا ہی دنیا کی ساری قوموں کے لئے نسخہِ کیمیا ہے۔ بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے اسی پیغام میں جو سب کے لئے ہے سب جگہ کے لئے ہے، راحت ہے۔ اس میں مرد و عورت، بوڑھے، جوان، کنبہ وخاندان، حاکم ومحکوم سبھی کے لئے آرام وراحت اور سکون واطمینان کا سامان ہے۔ اور اس کا عملی نمونہ بھی خلافت راشدہ کے زمانے میں پورے ۳۶/سال تک دنیا دیکھ چکی ہے اور اس کا میٹھا پھل بھی کھا چکی ہے۔ آپ ﷺ کی عطا کردہ تعلیم سے نسلی وقبائلی برتری کے تمام بت پاش پاش ہوگئے۔ یہ مساواتِ اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں نظر آتی ہے۔ بارہ ربیع الاوّل کو آنے والے رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے لئے جو دستورِ حیات دیا وہ صرف دستور کی حد تک نہیں

رہا بلکہ اللہ کے رسول نے اس کے ایک ایک حکم پر عمل کر کے، نافذ کر کے دکھادیا اور حکم دیا کہ اسوۂ رسول پر چل کر زندگی گزارو۔

اخلاق وشمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (میری بعثت اس لئے ہوئی کہ میں اخلاق کی تعلیم کو مکمل کروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ، اوصاف جمیلہ اور حلیہ مبارک، اوصافِ کریمہ اور فضائلِ شریفہ کا ذکر صحابیِ رسول ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے (جوام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) آپ کو وصاف النبی (حضور کے اوصاف بتانے والے) بھی کہا جاتا ہے، بہت جامع اور بلیغ انداز میں کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبعاً بدکلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپ سے سرزد نہیں ہوتی تھی۔ بازاروں میں آپ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے، بلکہ عفو در گزر کا معاملہ فرماتے۔ آپ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ ہند ابی ہالہ فرماتے ہیں، میں نے آپ کو کسی ظلم وزیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہ دیکھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو اور حدود اللہ کی حرمت وناموس پر آنچ نہ آئے۔ ہاں، اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپ ہر شخص سے زیادہ غصہ فرماتے۔ دو چیزیں سامنے ہوتیں تو ہمیشہ آسان چیز کا انتخاب فرماتے۔ جب اپنے دولت خانہ پر تشریف لاتے تو اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی ضرورتیں خود انجام دیتے، اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، صرف اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپ کو کچھ سروکار ہوتا۔ لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ کرتے۔

سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امورِ آخرت کی سوچ میں رہتے، اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا۔ غلاموں سے بھی محبت کا سلوک فرماتے۔ آپ مدینہ منورہ کے بازار میں تشریف لے گئے۔ وہاں ملاحظہ فرمایا کہ ایک غلام یہ کہہ رہا ہے کہ جو مجھے خریدے وہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے۔ اسے ایک شخص نے خرید لیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ غلام سخت بیمار ہو گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی تیمارداری کو تشریف لے گئے پھر اس کی وفات ہو گئی تو حضور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے حیرانی کا اظہار کیا کہ غلام اور اس پر اتنا انعام۔ آپ کے اخلاقِ کریمانہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترجمہ: تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں متقی پرہیزگار ہو، نسب وحسب کی کوئی حقیقت نہیں۔ ۴۹/۱۲)

ہند بن ابی ہالہؓ فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلاضرورت کلام نہ فرماتے، آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دوٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار۔ آپ نرم مزاج ونرم گفتار تھے، درشت اور بے مروت نہ تھے۔ آپ کسی کی اہانت نہ کرتے اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے۔ نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو۔ نعمت کی برائی نہ فرماتے۔ دنیا اور دنیا سے متعلق جو چیز ہوتی اس پر آپ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب رب العالمین کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپ کے جلال کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی، یہاں تک کہ آپ اس کا بدلہ لے لیتے۔ آپ کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہ آتا نہ ہی اپنی ذات کے لئے انتقام لیتے۔ جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے پھیر لیتے اور اعراض فرمالیتے۔

خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا جس سے صرف آپ کے دندانِ مبارک، جو بارش کے اولوں کی طرح پاک شفاف تھے، ظاہر ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آپ ہمہ وقت کشادہ رو اور انبساط و بشاشت کے ساتھ رہتے تھے۔ بہت نرم اخلاق، نرم پہلو تھے۔ نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلا کر بولنے والے نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل نہ بخیل۔ تین باتوں سے آپ نے اپنے کو بالکل بچا کر رکھا۔ ایک جھگڑا، دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام۔ لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپ نے بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی برائی کرتے نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے۔ صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو فرماتے تو شرکائے مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لباس و جمال و کمال سے آراستہ فرمایا تھا اور آپ کو محبت و دلکشی اور رعب و ہیبت کا حسین و جمیل پیکر بنایا تھا۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آپ خوددار اور باوقار اور شان و شوکت کے حامل تھے اور دوسروں کی نگاہ میں بھی نہایت پرشکوہ، آپ کا روئے انور چودھویں رات کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میانہ قد تھے۔ میں نے آپ کو ایک مرتبہ سرخ قبا میں دیکھا اس سے اچھی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ میانہ قد تھے، طول کی طرف کسی قدر مائل، رنگ نہایت گورا، ریش مبارک کے بال سیاہ، دہانہ نہایت متناسب اور حسین، آنکھوں کی پلکیں دراز، چوڑے شانے۔ آخر میں کہتے ہیں کہ میں نے آپ جیسا آپ کے پہلے یا آپ کے بعد کبھی نہیں دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے حریر و دیباج کو بھی آپ کے دست مبارک سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ نہ آپ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو سونگھی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و شمائل کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے۔ آپ کی سیرت لکھنے کے لئے بڑے سے بڑے دفتر بھی کم پڑ جائیں گے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا
مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعِ

(وہ مثل ماہِ کامل ہم میں آئے، ثنیات الوداع کے راستے سے۔ اب ان کا شکر واجب ہم پہ ٹھہرے کہ داعیِ حق کی دعوت دینے آئے)

سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہماری ذمہ داری

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تمام اہلِ ایمان آپ کی سیرت، آپ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف اپنی دنیا و آخرت سنواریں بلکہ ساری دنیا کو بھی اس پیغام سے روشناس کرائیں۔ اسلام کی تبلیغ میں جہاں قرآن پاک، کلامِ الٰہی و احادیث نبوی کا کردار ہے وہیں سیرت نبوی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی، صحابہ کرام، اولیاء اللہ کی زندگیاں اور ان کا اخلاق و کردار بھی اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ بنا۔ ہم کو بھی اسلامی سفیر بن کر عملی زندگی سے دوسروں تک اسلام کا پیغامِ امن پہنچانے کی پوری کوشش کرنی ہوگی تبھی ہم بہترین امت کہلانے کے حقدار ہوں گے، تبھی ہم ساری دنیا سے دہشت گردی، انتہا پسندی اور ظلم و جبر کا خاتمہ کرنے کی پوزیشن میں آئیں گے۔ ہم سب ربیع الاول کے پیغامِ محمدی کو اپنے سینے سے لگائیں۔ ربیع الاول کے جشن جلوسِ محمدی اور جلسوں کے وقت اپنا محاسبہ کریں، جائزہ لیں کہ ہمارے اندر تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی حصہ کتنا پایا جاتا ہے۔ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو عمل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

❁❁❁

از: مولانا عبدالمبین، استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ بلند و بالا مرتبہ اور اعلیٰ مقام عطا فرمایا ہے کہ جو چیز آپ سے نسبت اور تعلق رکھتی ہے وہ بارگاہ خداوندی میں معزز و مکرم ہو جاتی ہے خواہ مٹی کے ذرات ہوں یا کنویں اور باغات، پتھر ہوں یا ثمر و اشجار، مسجد و محراب ہوں یا منبر و دیوار، یہی وجہ ہے کہ آج مدینہ منورہ دنیا کے تمام شہروں میں اپنی بے پناہ برکتوں کے سبب بے مثل و بے مثال ہے، چوں کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی رحمت کے لیے ہجرت گاہ اور آرام گاہ بنایا ہے۔ کوئی انسان یا شہر یا دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے اسماء مدینہ منورہ کے اسماء سے زائد ہوں یہ ناموں کی زیادتی مدینہ منورہ کے فضل و شرف کی دلیل ہے۔ چنانچہ امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے زیادہ ناموں والا کوئی شہر نہیں ہے''۔ المناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''مدینہ طیبہ کے سو نام ہیں'' اور امام ابن حجر مکی نے لکھا ہے کہ: ''بعض متاخرین نے مدینہ طیبہ کے اسماء ہزار کے قریب لکھا ہے''۔ (فضائل مدینہ کامل)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام ہجرت یعنی یثرب مکہ مکرمہ کے شمال میں چار سو پچپن کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس کے مغربی جانب ایک سو تیس میل کے فاصلے پر سمندر اور اس علاقہ کا مشہور بندرگاہ ■ع ہے، مدینہ منورہ کا طول البلد تقریباً وہی ہے جو مکہ مکرمہ کا ہے، یعنی ۱۹-۲ ۲/درجہ مشرقی البتہ اس کا عرض البلد ۲۴/درجہ شمالی ہے، جب کہ مکہ مکرمہ کا ۲۱/درجہ شمالی ہے۔ (جزیرۃ العرب)

یہی وہ مقام ہے جس نے مدینہ منورہ کے نام سے قلوب و اذہان میں دائمی جلوہ آرائیوں کا شرف پایا ہے، یہ پہاڑوں کے درمیان ایک مستطیل اور وسیع میدان ہے۔ اس میدان میں بہت سی چھوٹی بڑی آبادیاں اور مواضع تھے جن میں سے اکثر مدینہ منورہ کی توسیع میں ختم ہو گئے لیکن زیادہ تر جنوبی اور جنوبی و مشرقی جانب ہی تھے۔ مثلاً:

(۱) ''قبا'' مدینہ منورہ سے قریباً تین میل جنوب میں ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت میں سب سے پہلے پہنچے اور چند روز یہاں قیام پذیر رہے، یہ اب بھی موجود ہے۔

(۲) ''عالیہ'' یا ''عوالی'' جنوب مائل بمشرق ہے، یہ بھی موجود ہے۔

(۳) اسی وسیع میدان میں یہود کے دو مشہور قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ کی بستی بھی موجود تھی۔

قبا اور مدینہ منورہ کے درمیان بھی کئی بستیاں تھیں کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مستقل قیام کی طرف روانہ ہوئے تھے تو بنی سالم کے محلے میں نماز جمعہ ادا کی تھی اس جگہ یادگار باقی رکھنے کے لیے ایک مسجد بنائی گئی، جسے مسجد الجمعہ کے نام سے جانا

جاتا ہے اور یہ مسجد آج بھی موجود ہے۔ یثرب اس زمانے میں سب سے بڑی بستی تھی اور اس وسیع میدان کی تمام آبادیاں مجموعی حیثیت سے یثرب ہی کے نام سے مشہور تھیں۔

ہجرت سے قبل یثرب کی آبادی دو گروہوں پر مشتمل تھی، اول عرب جن کے دو قبیلے تھے، اوس وخزرج، یہ عام عربوں کی طرح بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور دوسرا گروہ یہودیوں کا تھا اور یہ گروہ تین قبیلوں میں بٹا ہوا تھا، بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، یہ صرف نام کے دین موسوی پر تھے ورنہ ان کی اعتقادی، عملی اور اخلاقی زندگی اس قدر بگڑ چکی تھی کہ ان کا اصل دین یہود سے دور دور تک رشتہ نہ تھا، قرآن حکیم میں جن بنی اسرائیل کا نقشہ جگہ جگہ کھینچا گیا ہے وہ دراصل یہود یثرب ہی کا نقشہ تھا، گو کہ تمام بنو اسرائیل پر یہ نقشہ منطبق ہوتا تھا اگرچہ وہ کہیں کے بھی باشندے رہے ہوں بلکہ ان کی بعض خصوصیتوں کو چھوڑ کر آج بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، بلکہ انگریزی سانچے میں ڈھل کر ان کی زندگی اور بھی بری شکل اختیار کر چکی ہے۔ (رسول رحمت)

شام اور شمالی حجاز کی قوم عمالقہ ایک با اقتدار اور مضبوط قوم تھی، جس نے اپنی طاقت اور محنت سے ان علاقوں کی ساری حکومتوں کو زیر کر لیا تھا، اور قرب وجوار میں اپنی طاقت کی دھاک بٹھا دی، اس کے افراد قوی ہیکل اور دیو پیکر لوگ تھے، شروع میں ان کا وطن یمن ہوا کرتا تھا، پھر وہاں سے نکل کر مکہ اور یثرب میں آباد ہوتے ہوئے پھر شام اور مصر میں آباد ہوئے۔ مدینہ منورہ کا سابقہ نام یثرب انھیں کا رکھا ہوا ہے، اپنے زمانے میں قرب وجوار کی حکومتوں کو انھوں نے خاصا پریشان کیا، بنی اسرائیل جب مصر سے جزیرہ نمائے سینا پہنچے ہیں تو اس وقت شام میں عمالقہ کا اقتدار تھا اور بیت المقدس بھی انھیں کے قبضے میں تھا، بنو اسرائیل کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے لڑ کر بیت المقدس واپس لے لیں لیکن وہ ان سے ایسے مرعوب تھے کہ ان کی ہمت نہیں پڑی اور انھوں نے مقابلہ پر جانے سے انکار کر دیا، اور کہا:

"یموسی ان فیھا قوما جبارین، الخ" حضرت موسیٰ کے سمجھانے اور ہمت دلانے کا بھی اثر نہیں پڑا، بالآخر بیت المقدس کچھ مزید عرصے کے لیے عمالقہ کے قبضہ میں رہا، پھر بنی اسرائیل نے فلسطین کو عمالقہ سے لڑ کر واپس لے لیا۔

اور پھر آگے چل کر اسی قوم نے یثرب کو ہجرت سے قریباً ایک ہزار چھ سو اڑتیس سال پہلے آباد کیا تھا، یہ اس وقت کی بات ہے جس وقت قوم عمالقہ مصر سے نکالی گئی تھی، عمالقہ نے اس جگہ کھجور کے درخت لگائے، کھیتی باڑی شروع کی، پھر جب شاہ بابل نے فلسطین کو تباہ و برباد کر ڈالا، یہودی اس وقت حجاز پہنچے، اس نے بہت سے یہودیوں کو قید کر کے بابل پہنچا دیا اور ہیکل کو تباہ کر ڈالا، بعض یہودیوں نے فدک، وادی القریٰ اور خیبر کو اپنا مسکن بنا لیا، اور بعض نے یثرب میں اقامت اختیار کر لی، پھر دھیرے دھیرے انھوں نے عمالقہ پر اپنا تصرف جما لیا اور انھیں یا تو یہودی بنا لیا یا باہر نکال دیا۔

اوس وخزرج دو بھائی تھے، جن سے دو قبیلے چلے، آگے چل کر یہ دونوں قبیلے متعدد شاخوں میں تقسیم ہو گئے، لیکن ہجرت سے پیشتر تک یثرب میں یہود کا زور تھا، وہ علم میں بھی برتر تھے، مال وزر میں بھی عرب ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، صنعت وحرفت میں بھی بہت بڑھے ہوئے تھے، یثرب سے شام تک اہم مقامات میں ان کی خاص آبادیاں تھیں اور اس طرح پوری تجارت پر انھیں کا قبضہ تھا، انھیں دولت کمانے کے فنون میں بڑی مہارت تھی، غلے، کھجور، شراب اور کپڑے کی تجارت انھیں کے ہاتھ میں تھی، یہ لوگ غلے، کپڑے اور شراب درآمد کرتے تھے، اور کھجور برآمد کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی ان کے مختلف کام تھے، جن میں وہ سرگرم رہتے تھے، وہ اپنے اموال تجارت میں عربوں سے کئی گنا منافع لیتے تھے اور اسی پر بس نہ کرتے تھے بلکہ سودخور بھی تھے، اس لیے وہ عرب شیوخ اور سرداروں کو سودی قرض کے طور پر بڑی بڑی

رقمیں دیتے تھے، جنھیں یہ سردار حصول شہرت کے لیے اپنی مدح سرائی میں شعراء کے درمیان بالکل فضول اور بے دریغ لٹادیا کرتے تھے، ادھر یہود ان رقموں کے عوض ان سرداروں سے ان کی زمینیں، کھیتیاں اور باغات وغیرہ گروی رکھوا لیتے تھے اور چند سال گزرتے گزرتے ان کے مالک بن بیٹھتے تھے۔ آل اولاد کی کثرت سے یہود کے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے، اوس وخزرج یہود کی اس برتری سے اس درجہ متاثر تھے کہ کسی عرب کے یہاں اگر نرینہ اولاد نہ ہوتی تو وہ منت مانتا کہ اگر بچہ پیدا ہوگا تو اسے یہودی بنادوں گا، پھر یہودیوں میں فطیون نام کا ایک عیاش اور اوباش رئیس پیدا ہوا، ایک عرب اسے قتل کرکے شام پہنچا اور غسانیوں کو اپنی امداد کے لیے لے آیا، غسانیوں نے بڑے بڑے یہودیوں کو قتل کردیا، اس طرح ان کا زور توڑ ڈالا۔

جب یہود کا زور ٹوٹ گیا اور ان کا غلبہ ختم ہوگیا تو اوس وخزرج نے اقتدار حاصل کرلیا جو غالباً زیادہ عرصے تک باقی نہ رہا، کیوں کہ یہودی دسیسہ کاری، سازش رچنے اور جنگ کی آگ بھڑکانے میں بڑے ماہر تھے، ایسی باریکی سے ہمسایہ قبائل میں دشمنی کی آگ لگاتے اور عداوت کا بیج بوتے کہ ان قبائل کو احساس تک نہ ہوتا، پھر ان میں پیہم جنگ جاری رہتی، اور خدانخواستہ اگر یہ آگ سرد پڑتی دکھائی دیتی تو یہود کی خفیہ انگلیاں پھر حرکت میں آجاتیں اور جنگ پھر سے بھڑک اٹھتی، پھر لڑا کر چپ چاپ الگ بیٹھ کر خانہ جنگی کا تماشہ دیکھتے، البتہ بھاری بھرکم سودی قرض دیتے رہتے تاکہ سرمائے میں نہ کمی آنے پائے اور نہ ہی جنگ سرد پڑے، اسی وجہ سے یہ جنگ طویل مدت تک چلتی رہی اور آخری بڑی لڑائی جنگ بعاث تھی جو ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پیشتر ہوئی تھی اور خانہ جنگی میں دونوں طرف کے بڑے بڑے سردار اور عام آدمی مارے گئے اور ان کی قوت پاش پاش ہوگئی۔ (الرحیق المختوم)

آخر دونوں قبیلوں نے ہار تھک کر صلح کرلی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی کو اپنا حکمراں مان لیں، جس کی وجہ سے دونوں قبیلوں کا اتفاق واتحاد باقی رہے، خزرج میں سے قبیلۂ عوف کے سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول کی حکمرانی پر اتفاق ہوگیا، ابھی اس کی حکمرانی کی رسم باقاعدہ ادا بھی نہ ہوئی تھی کہ آفتاب نبوت کی کرنیں یثرب کی فضا میں جلوہ آراء ہوئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یثرب تشریف لے آئے اور یہ پورا منصوبہ خاک میں مل گیا اور یہی صورت ابن ابی کے نفاق کا پس منظر تھی۔ (رسول رحمت)

فطری بات ہے کہ ان یہودیوں سے اس کے سوا کوئی اور توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اسلام کو بغض وعداوت کی نظر سے دیکھیں، کیوں کہ پیغمبر اسلام ان کی نسل سے نہ تھے کہ ان کی نسبی عصبیت کو سکون ملتا جو ان کی ذہنیت کا جزو لاینفک بنی ہوئی تھی، پھر اسلام کی دعوت ایک صالح دعوت تھی جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی تھی، بغض وعداوت کی آگ کو بجھاتی تھی، تمام معاملات میں پاکیزہ مال کھانے اور کھلانے کی پابند بناتی تھی، اس کا مطلب یہی تھا کہ اب یثرب کے قبائل مل جائیں گے اور یہود کے چنگل سے آزاد ہوجائیں گے اور وہ اس سودی دولت سے محروم ہوجائیں گے، جس پر ان کی مالداری کی چکی گردش کرتی تھی، بلکہ یہ بھی ان کو قوی اندیشہ تھا کہ باغات وزمین کو پھر سے واپس نہ لے لیں، جن کو ان لوگوں نے عرب سے بغیر کسی عوض کے لے رکھا تھا۔

جب سے یہود کو معلوم ہوا تھا کہ اسلامی دعوت یثرب میں اپنا سکہ جمانا چاہتی ہے، اسی وقت سے انھوں نے ان ساری باتوں کو اپنے حساب میں داخل کرلیا تھا، اسی لیے ہجرت سے پہلے ہی اسلام اور مسلمانوں سے انھیں سخت عداوت ہوگئی تھی، اگرچہ اس کے اظہار کی جسارت خاصی مدت کے بعد کرسکے، مگر جس دین کا محافظ خود خدائے تعالیٰ ہے اسے کون مٹا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی اسلام یثرب میں ایسا چمکا کہ اسے مدینہ بنادیا اور قیامت تک ان شاء اللہ باقی رہے گا۔

خضر راہ

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں کیسے منائی جائیں

اس کالم میں مختلف معاشرتی ملی، تعلیمی اور سیاسی مسائل پر قارئین کے خیالات پیش کیے جاتے ہیں۔(ادارہ)

ربیع الاول شریف کے مبارک مہینہ سے پوری امت مسلمہ عنقریب فیض یاب ہونے والی ہے، مسلمانان عالم اس ماہ مبارک میں جشن میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی محفلوں کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔روشنی اور سجاوٹ کا شاندار انتظام کرتے ہیں، جلسے ہوتے ہیں اور جلوس نکالے جاتے ہیں۔شیرینی اور کھانے پینے وغیرہ مختلف طریقوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اپنی خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں، جو خوش آئند بات ہے۔مگر اب محفلوں کے منتظمین میں نام ونمود،اور دوسروں کی محفلوں کو زیر کردینے کا رجحان فروغ پانے لگا ہے۔ضرورت سے زیادہ اور گلی کے ہر نکڑ پر پاور فل ساؤنڈ سسٹم لگائے جاتے ہیں، پروفیشنل نعت خوانوں کی مانگ بڑھتی جارہی ہے، جو فلمی گانوں کے طرز پر نعتیں پڑھتے، طرح طرح سے آوازیں نکالتے اور عجیب عجیب حرکتیں کرکے پبلک کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔گئی رات تک محفلیں ہوتی ہیں، جن میں فجر کی نماز قضا ہونے کا پورا امکان ہوتا ہے۔پھر تقریروں کے لیے ایسے خطیبوں کو دعوت دی جاتی ہے جو مستند روایتوں پر مشتمل وعظ کہنے کی بجائے مختلف طریقوں سے لایعنی باتیں اور غیر مستند روایتیں بیان کرکے پبلک کو خوش کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں۔جس کی وجہ سے صحیح طریقہ سے عوام کی رہنمائی اور تربیت نہیں ہو پاتی۔

حالانکہ اس ماہ میں عوامی مزاج جس طرح محبت وعقیدت کے اظہار کا ہوتا ہے اور انھیں جمع کرنا آسان بھی ہوتا ہے اگر ان پروگراموں کو منظم کیا جاسکے تو اصلاح ودعوت کا اچھا کام کیا جاسکتا ہے۔اور ان کے مزاج، رنگ وڈھنگ کو بدل کر انھیں اور زیادہ موثر بنایا جاسکتا ہے۔اسی کے پیش نظر آپ کی بارگاہ میں عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروگراموں کے متعلق کچھ سوالات پیش ہیں، جوابات عنایت کرکے قوم مسلم کی سوچ وفکر اور انداز بیان کی اصلاح فرمائیں، سوالات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر محفلوں کا جو مروجہ طریقہ کار ہے وہ مسلمانوں کے لیے کتنا مفید ہے اور کتنا مضر؟ اور ان کی اصلاح کے لیے کن کن امور پر غور کرنا چاہیے؟

(۲) عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر ہمیں کون سے طریقے اختیار کرنا چاہییں جن کے ذریعہ ہم مسلمانوں کو سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کا خوگر بنا سکیں؟

(۳) عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے اور اس کا انتظام و انصرام کرنے کے بعد بہت سارے لوگ اس فکر کے شکار ہوجاتے ہیں کہ اب تو بیڑا پار ہے، خواہ نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں اور دیگر احکام کی پابندی کریں یا نہ کریں! کیا یہ سوچ صحیح ہے، اگر نہیں تو پھر اس کی اصلاح کیسے ممکن ہے؟

(ادارہ)

مولانا اقبال احمد علیمی

استاذ مدرسہ امجدیہ ارشد العلوم، او جھا گنج، بستی

ایک دور تھا جب میلاد شریف کی مبارک محفلیں عشاقان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھیت کھلیان، دکان، مکان، قبرستان، شادی، غمی، پیدائش وموت، رنج وتکلیف اور ہر اہم موقع پر کیا کرتے تھے، ذکر ولادت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی دکان ومکان، کھیت و باغ میں خیر و برکت کا ذریعہ اور اپنے رنج وغم کا علاج ومداوا سمجھتے تھے گویا کہ یہ ان کے لیے ہر لاینحل مشکل کا حل تھا اس وقت محفل میلاد شریف کے انعقاد کے لیے کوئی بہت زیادہ دشوار کن مراحل سے بھی گزرنا نہیں پڑتا تھا، کیوں کہ میلاد شریف پڑھنے والے کے لیے ایک تخت یا چوکی بچھائی جاتی تھی جس پر میلاد پڑھنے والا بیٹھتا تھا کسی لمبے چوڑے اسٹیج کو بنانا نہیں پڑتا تھا، سامعین کے لیے آرام دہ کرسیوں کی جگہ ٹاٹ پٹیاں ہوتی تھیں جن پر بیٹھنے میں بڑے سے بڑا مالدار اور سرمایہ دار کوئی شرم وعار محسوس نہیں کرتا تھا، دور تک آواز رسانی کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا انتظام شاذ ونادر ہی ہو پاتا تھا، روشنی کے لیے چراغ، لیمپ اور لالٹین ہوتی او بہت زیادہ روشنی کی ضرورت سمجھی گئی تو کئی ایک گیس بتیاں روشن کردی جاتیں۔ میلاد شریف پڑھنے والے علما وشعراء ونقبا کی تاریخوں کے لیے چکر نہیں لگائے جاتے تھے ان کے اکاؤنٹ میں ''جرانہ'' بنام ''نذرانہ'' ان کی آمد سعید سے پہلے جمع نہیں کیا جاتا تھا، ان کی سواری، گوشت، مچھلی، بسلری کا کوئی مسئلہ نہیں تھا جو کچھ بلانے والوں کی طرف سے کم وبیش مل گیا میلاد پڑھنے والا اسی پر خدا کا شکر بجالاتا، اگر نذرانے کی شکل میں کچھ بھی نہیں ملا تب بھی کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ میلاد کی شیرنی ہی پانے سے خوش ہوتا۔ وہ تو میلاد شریف پڑھنے کا موقع ملنے ہی کو بہت غنیمت تصور کرتا تھا، میلاد پڑھنے والے گاؤں دیہات کے مولوی صاحب، امام صاحب یا مسجد کے مؤذن ہوا کرتے تھے جو اس وقت کی اس موضوع پر لکھی گئیں مشہور ومعروف کتابیں۔ میلاد اکبر، میلاد گوہر اور میلاد سعیدی۔ پڑھا کرتے تھے۔ کوئی واہ واہی، داد وتحسین اور نعرہ وغیرہ کا رواج نہیں تھا۔ زبردستی ''سبحان اللہ، الحمدللہ'' کھڑے ہوکر، بیٹھ کر، غوث اعظم کے نام پر، غریب نواز کے نام پر کہلانے کی رسم نہیں تھی، کوئی شور شرابا، ہنگامہ آرائی کا ماحول نہیں بن پاتا تھا۔

میلاد شریف پڑھنے والا پڑھتا جاتا اور سامعین کرام انتہائی یکسوئی اور دھیان وتوجہ سے دل لگا کر سنتے رہتے، میلاد کے درمیان میں کہیں کہیں کسی واقعے کی شروعات میں پڑھنے والا سامعین سے درود شریف پڑھنے کے لیے کہہ دیتا تو سب لوگ درود شریف پڑھنے لگتے، کوئی جب اہم اور تعجب میں ڈالنے والا واقعہ یا عظمت رسالت والا کوئی جملہ سنتے تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ دیتے میلاد شریف کی اہمیت وعظمت پر روشنی ڈالی جاتی، اس کے ثمرات وبرکات بیان ہوتے، منکرین میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپنے طور پر ردوتردید کی جاتی۔ جب محفل میلاد اپنی آخری منزل کو پہنچنے والی ہوتی تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے کا پس منظر اور پیش منظر بیان کیا جاتا اور محفل میلاد میں اس بیان کو ضرور سنا جاتا تھا، وہ اس بیان کو ''پیدائش'' سے موسوم کرتے تھے۔ پھر صلاۃ وسلام کے لیے میلاد خوان یہ شعر پڑھتے ہوئے ؎

اٹھو! جس سے تعظیم محبوب رب ہو
نکل جائے محفل سے جو بے ادب ہو۔

سامعین سے کھڑے ہونے کو کہتا تو سب لوگ پیار ومحبت سے صلاۃ وسلام کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے اور انتہائی خلوص کے ساتھ بارگاہ رسالت مآب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سلام: 'یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک' یا 'مصطفیٰ جان

رحمت پہ لاکھوں سلام پڑھتے، اس کے بعد بیٹھ جاتے، قرآن پاک کی بعض سورتیں اور آیتیں پڑھی جاتیں، درود شریف پڑھ کر میلاد پڑھنے والا ایصال ثواب کرتا، میلاد کرنے والوں، سننے والوں کے لیے ان کے گھروں اور دکان ومکان، کاروبار کے کی خیر وبرکت کے لیے بارگاہ رب العزۃ میں رحمت العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کاملین کے طفیل وتوسط سے گڑگڑا کر دعا کرتا تھا اور اس کی دعا پر حاضری مجلس آمین ثم آمین کہتے۔

اگر کبھی کسی کو اس تعلق سے کچھ زیادہ اہتمام کرنا ہوتا تو وہ اس کے لیے قرب وجوار کے کسی عالم کو مدعو کر لیتا، اس کے بیان ووعظ کے سننے کے لیے ایک انبوہ کثیر جمع ہو جاتا۔ اس طرح کی محفل کو وہ بڑا میلاد یا جلسہ سے موسوم کرتے تھے، اس وقت جلسہ اور محفل میلاد میں زیادہ تر سیرت رسول پر ہی گفتگو ہوتی تھی، دیگر موضوعات پر گفتگو کم ہی ہو پاتی تھی؛ کیوں کہ وقت کم ہوتا تھا اور میلاد شریف پڑھنے والے معمولی جان کار ہوتے تھے۔ یوں تو محفل میلاد ہوتی ہی رہتی تھیں مگر ماہ مبارک ربیع الاول میں اس میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ کیوں کہ یہ مہینہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کا مہینہ ہے۔ اُس دور میں میلاد شریف کی محفل کا انعقاد بہت آسان تھا۔ لیکن اب اس دور میں میلاد کرنا اتنا آسان نہیں، کیوں کہ اس کے لیے بہت سارے انتظامات کرنے ہوتے ہیں، بڑے، بڑے مشہور ومعروف شعرا، نقبا، علمائے کرام کو مدعو کرنا پڑتا ہے، ان کے لیے ٹرینوں، بسوں اور جہازوں کے ٹکٹ نکلوانے ہوتے ہیں، نذرانوں کا معاملہ پہلے صاف طور پر طے کر لیا جاتا ہے، کھانے کا انتظام عوام وخواص سب کے لیے ہوتا ہے، ایک بڑے سے میدان میں ایک بڑا اور شاندار اسٹیج نصب کیا جاتا ہے، اس کے سامنے کرسیاں لگائی جاتی ہیں، زیادہ سے زیادہ روشنی کا انتظام کیا جاتا ہے، دور تک آواز پہنچانے والے لاؤڈ اسپیکر ہوتے ہیں، رات رات بھر پروگرام چلتا ہے، اس میں شرکت کے لیے کئی دنوں پہلے سے اعلانات ہوتے ہیں، بڑے بڑے دیدہ زیب اشتہارات دیواروں پر چسپاں کیے جاتے ہیں، گورنمنٹ سے اس کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اتنی ساری دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنے کے بعد تب کہیں جا کر اس محفل پاک کا انعقاد ہو پاتا ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے اس کا انعقاد نہایت ہی آسان کام تھا، تب بھی اس محفل کے کرنے کا مقصد سیرت رسول کے ذکر سے برکتیں حاصل کرنا تھا اور اب بھی یہی ہوتا ہے، مگر ہم روز بروز اس محفل کے انعقاد کے سلسلے میں مشکلات میں گھرتے جارہے ہیں اور ان مشکلات میں گھرنے کا سبب کوئی اور نہیں بلکہ ہماری سوچ وفکر ہے جس نے ہم کو دشواریوں میں ڈال دیا ہے، ہم نے زیادہ سے زیادہ مقررین، خطبا اور شعرا کو مدعو کرنا شروع کر دیا جن کا بار ہم نے اپنی قوم پر ڈالا، حالاں کہ اس کے لیے صرف ایک مقرر اور ایک شاعر کافی ہے جو اطمینان سے آپ کو اور ہم کو کئی ایک نعتیں سنا سکتا اور مقرر ایک دو گھنٹے ہمیں سیرت رسول کے بارے میں اچھا خاصا بتا سکتا ہے۔ اور ہم ان دونوں کی مناسب خاطر ومدارات بھی کر سکتے ہیں، بارہ بجے تک محفل ختم ہو جائے، لوگ اپنے گھروں کو جا کر آرام بھی کر لیں اور صبح فجر کی نماز جماعت سے پڑھ کر اپنے رب کے فضل کی تلاش میں نکل پڑیں۔

اور اگر زیادہ دیر تک محفل کرنے کے لیے کئی شخصیات کو مدعو کر رہے ہیں تو ان سب سے ایک موضوع پر تقریر وبیان کروانے سے بہتر ہے کہ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع کے ساتھ ساتھ نماز، روزہ، حرام وحلال، حقوق والدین و زوجین، جنت، جہنم اور قیامت ورد بد مذہب جیسے اہم موضوعات پر بھی بیانات ہوں اور ان میں قرآن وحدیث کی روشنی میں سامعین کو احکام اسلام سے روشناس کرایا جائے، ان پر عمل پیرا ہونے کے لیے تاکیدیں کی جائیں، احکام اسلام پر عمل کرنے والوں کو بشارتیں اور تارکین احکام کو سزائیں بتائی جائیں، خوف خدا دلایا

جائے، پہلے کی نافرمان قوموں پر آنے والے خدا کے عذابوں کو سنا کر انھیں یہ تلقین کی جائے کہ اگر آپ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہیں آئے تو آپ لوگ بھی قہر الٰہی میں گرفتار ہو سکتے ہیں، آپ لوگوں پر بھی خدائے بزرگ و برتر کا عذاب آسکتا ہے، انبیائے کرام، صحابہ کرام، اولیائے عظام اور سلف وصالحین کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ حضرات اپنے رب کی کس طرح عبادت کرتے تھے، وہ کتنا اپنے مالک حقیقی سے خوف رکھتے تھے، کتنی مضبوطی کے ساتھ شریعت کی پابندی کرتے تھے، ہم لوگ بھی انھیں نفوس قدسیہ کے ماننے والے ہیں، انھیں کے نام لیوا ہیں، ہمیں ان کے نام لینے کے ساتھ ساتھ ان کے پاکیزہ افعال وکردار کو بھی اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے، تب کہیں جا کر ہم ان کے سچے ماننے والے کہلانے کے حقدار ہوں گے۔ ان موضوعات پر بیانات کے لیے بہتر ہوگا کہ جن علما کو تقریر کے لیے بلایا جارہا ہے ان کو پہلے ہی سے مطلع کر دیا جائے کہ آپ کی فلاں موضوع پر تقریر ہوگی؛ لہٰذا آپ اس کی تیاری فرمالیں۔ تاکہ آپ کا بیان زیادہ سے زیادہ کامیاب ہو سکے۔ اس کام کے لیے اگر آپ کے علاقے کے ہی علما ہوں تو اور زیادہ مناسب رہے گا؛ کیوں کہ وہ سامعین کے مزاج سے بھی واقف ہوں گے اور انھیں اپنے سامعین کو سمجھانا بنسبت باہر کے علما کے زیادہ آسان ہوگا، وقت ضرورت ہی بیرونی علما سے رجوع کیا جائے۔

اے کاش ایسا ہو جائے تو یہ ہماری میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محفل کے ساتھ ساتھ تعلیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی محفل ہو جائے اور اس وقت کی یہ ضرورت بھی ہے کہ جس طرح سے ہماری نوجوان نسل میلاد النبی اور سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دور ہو رہی ہے یا دور کی جارہی ہے اسی طرح سے تعلیمات رسول سے بھی دور ہوتی جارہی ہے؛ لہٰذا اپنی نسل کو ان دونوں سے قریب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ محفل میلاد میں ذکر سیرت رسول کے ساتھ ساتھ تعلیمات رسول بھی ضرور ہو۔

یہاں پر ایک بات اور بھی ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ محفل میلاد کرنے والے صرف محفل میلاد سال میں ایک بار کر کے چھٹی نہ لے لیں بلکہ زیادہ سے زیادہ کریں، یہ بہت نیک اور بابرکت کام ہے، اس کے ساتھ ساتھ فرائض وواجبات کی پابندی اس سے بھی زیادہ کریں، محفل میلاد کے انعقاد کو ہی سب کچھ نہ سمجھ لیں کہ نماز روزے اور کسب حلال جیسے اہم فریضے سے غافل ہو جائیں، یہ کسی بھی طرح ٹھیک نہیں ہے، احکام اسلام کی پابندی سب نیک کاموں سے بڑھ کر نیک کام ہے، اسے قطعاً ترک نہ کریں، محفل میں اشیا کا استعمال ضرورت بھر ہی کریں اسراف کی حد کو نہ پہنچیں۔ پنڈال وشامیانہ، ڈیکوریشن اوسط درجے کا ہی ہونا چاہیے، لاؤڈاسپیکر اور ساؤنڈ بکس ضرورت بھر ہی استعمال ہونے چاہییں، جن کی آواز سامعین کے لیے کافی ہو، بہت بلند اور تیز آواز صحت کے لیے بھی نقصان دہ ہے اس کے علاوہ ہمارے پڑوس میں غیر مسلم قومیں بھی بستی ہیں ان کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے، انھیں بھی ہمارے لاؤڈاسپیکر کی آواز سے تکلیف ہو سکتی ہے جو کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے، ہمیں تو آبادی اور شہر میں اس طرح سے رہنا چاہیے کہ ہم اپنے کردار اور اخلاق سے غیر قوموں کو یہ باور کرادیں کہ ہم نبی رحمت کے امتی ہیں، ہمارے نبی کی رحمت کا سایہ ہم پر ہے اور ہم جہاں بھی رہتے ہیں اور جن لوگوں میں رہتے ہیں رحمت بن کر رہتے ہیں، کسی کو تنگ کرنا زحمت دینا اور فتنہ وفساد پھیلانا نبی رحمت کے امتی کا کام نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اس طرح کے کام کرتے ہیں اسلام اور مسلمانوں کا ان سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک کے صدقے میلاد النبی کی محفل کو سجانے، تعلیم نبی زیادہ سے زیادہ عام کرنے اور عملی اقدام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❁❁❁

مولانا محمد احتشام الحق مصباحی

متعلم تخصص فی الفقہ: مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی

(۱) تمام ادیان میں دین اسلام سچا دین ہے۔ اس کے پیغامبر سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر جلسہ کرنا، جلوس نکالنا اور اظہارِ مسرت کرنا جائز و مستحسن ہے۔ اور اس کے بہت سے فوائد ہیں کہ حکم الٰہی "قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون" پر عمل ہوجاتا ہے۔ اسکول و کالج کے اکثر مسلم طلبہ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ ہم جس نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کا، ان کے والد و والدہ وغیرہ کے اسمائے مبارکہ کیا ہیں؟ ان کی تاریخ ولادت کیا ہیں؟ تو اس خاص دن پروگرام ہونے سے ان ساری چیزوں کا علم ان لوگوں کو ہوجاتا ہے۔ اور دعوت و تبلیغ کے امور بھی انجام پاجاتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ عظمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ان فوائد کے ساتھ ساتھ بہت سے نقصانات بھی ہیں۔ مثلاً مقابلہ آرائی میں حد سے زیادہ لائٹ لگانا جو کہ فضول خرچی اور ناجائز و گناہ ہے۔ جلوس میں جھنڈیاں وغیرہ جن پر کلمہ جلالت اور اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھے ہوتے ہیں لاعلمی میں قدموں کے نیچے آجاتی ہیں۔ بعد پروگرام جھنڈیاں نالیوں میں اڑ کر جاتی ہیں جو کہ صریح بے حرمتی ہے۔ نیز پیشہ ور مقرروں کا تقریروں میں موضوع روایات بیان کرنا۔ اور جلسوں کو رات گئے تک جاری رکھنا، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، بہت سارے لوگوں کی جماعت فجر چھوٹ جاتی ہیں، یہی نہیں بلکہ بہت سارے لوگوں کی نماز ہی سرے سے غائب ہوجاتی ہے۔ اور دیگر بہت سے خرافات و غیر شرعی امور پائے جاتے ہیں۔ جن کی وجہ سے مخالفین کو اعتراض کرنے کا موقع فراہم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس تناظر میں درج ذیل امور پر غور و فکر کی اشد حاجت ہے۔ جس سے قوانین شرع کے مطابق جشن آمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منایا جاسکے اور مخالفین کا سد باب ہوسکے۔

(۱) تقریر و مدح خوانی کے مواد اور انداز۔ (۲) ابتدائے جلسہ و انتہا کا وقت۔ (۳) جلوس نکالنے کا وقت و طریقہ۔ (۴) جلوس و جلسہ میں بیجا اسراف۔ (۵) مردوں اور عورتوں کا اختلاط۔

(۲) عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر اگر ہم درج ذیل امور اختیار کریں تو ان کے ذریعہ مسلمانوں کو سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا خوگر بنانے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوجائیں گے۔

(۱) تلاوت قرآن پاک۔ (۲) نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۳) توحید و رسالت، سیرت و میلاد کے موضوعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں باعمل علما کی تقاریر۔ (۴) ولادت شریف کے مستند واقعات اور رضاعت مبارکہ کے صحیح حالات کا بیان اور ہدیہ ایصال ثواب۔ (۵) تعظیم رسالت و اتباع سنت کے حکم کا التزام بحوالہ قرآن و احادیث۔ (۶) اتباع اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مستند واقعات کا بیان۔ (۷) ہر قسم کی بدعات و منکرات سے اجتناب کی تلقین اور اس کے انجام کا بیان۔

(۳) مذکورہ خیال و فکر بالکل درست نہیں ہے۔ کیوں کہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا اور جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نکالنا محض مستحسن ہے۔ اور نماز فرض عین ہے۔ اور مستحسن کو بجالانے سے فرض سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کی اصلاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ محلے کے علمائے کرام ہر نماز کے وقت انتظام و انصرام کرنے والے کو تاکید کریں کہ پہلے نماز ادا کرلیں پھر کام کریں، کیوں کہ نماز فرض عین ہے ترک کی صورت میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے باوجود سخت گناہ گار ہوں گے۔ اور جلوس نکالنے کا وقت و حدود اچھی طرح متعین کریں۔ نیز جس محلے میں وقت نماز آجائے جلوس اتنی دیر رکوادیں کہ سارے لوگ آرام سے نماز ادا کرلیں۔ اور میلاد و جلسہ میں ایک دو علما سے سیرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادائے نماز کی بشارت اور ترک کی وعیدیں بیان کرائیں۔ اور ایک، دو ورق کا پمفلٹ نماز کے تعلق سے چھپوا کر لوگوں کے درمیان تقسیم کرائیں اور خاص خاص مقامات پر چسپا کرائیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بہت حد تک اصلاح ہوجائے گی۔ ❁

آہ! سید شاہ تراب الحق قادری قدس سرہ

ہائے! اے شہر خوباں کے شہریار! اے جلوۂ صد رنگ تو کہاں کھو گیا!!

اسیر غم: ڈاکٹر غلام جابر شمس، بمبئی

خاکِ ہند کی وہ صدرنگی کوند، جو حیدرآباد دکن کے افق سے چمکی تھی، کراچی سندھ کے سر فلک جا کر شہابِ ثاقب بن گئی اور پھر ایک عمودی و عموقی نور مستطیل بن کر ربع مسکوں کے تمام آفاق پر چھا گئی، جس کی برستی روشنی سے ایشیائی ممالک کے درودیوار، صحرائے افریقہ کے ریگزار و لالہ زار، یورپی مملکتوں اور ریاستوں کے دشت و کوہسار اور امریکی دیار و امصار کے بام وایوان روشن و منور ہوئے۔ ہائے اے چکاچوند شہر کراچی کی صبح درخشاں کو ماند کرنے والی سرمئی شام! کتنی بے رحم ہے تو کہ اکیلے اپنی گود میں سمیٹ لیا۔ اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ بازو میں دبوچ لیا۔ یہ تو نے کیسی ناانصافی کی۔ کیا تجھے خبر ہے کہ اس کی محبت، اس کی عقیدت اور اس کی حسین ترین یادوں اور یادگاروں کا چراغ کتنے دل رنجور و مہجور نے اپنے صحن و آنگن میں جلا رکھا ہے۔ آج تو قوم کی قوم سوگوار ہے۔ ملک کا ملک ماتم کناں ہے۔

واحسرتاہ! حسرت بھی کیوں؟۔ وہ موت تو خود ہی ڈری سہمی دلہن بن کر آئی تھی اور اس محبوب جاں نواز کو تیری تہوں کے سپرد کیا۔ خوب یاد رکھ لے کہ یہ قومی امانت ہے۔ ملی سرمایہ ہے اور جماعتی اثاثہ ہے۔ لیکن اے شام کراچی! تم یاد رکھ!! اس پر تنہا تیرا ہی تو حق نہیں تھا، وہ تو فاطمی چمن کا پھول تھا، حسنی ڈال، حسینی شاخ کا گل تر تھا، وہ چادر پاک، جس میں پانچ انمول و البیلی جانیں سمٹ آئی تھیں، جس میں ایک خاتون اور چار رجال عظیم تھے، اس چادر مبارک کی دائمی رنگتوں، قائمی برکتوں اور دوامی امانتوں کا وہ امین و خازن تھا۔ جس کو وہ اپنی آبائی سخاوت اور توریثی فیاضی کے ساتھ مشرق و مغرب میں بانٹا کرتا تھا۔ داتا کا مسکن تو کراچی تھا، منگتوں کی قطار جہان بھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ اس مرد کار کا میدان کار دنیا جہان تھا۔

فرد سے فرید، قطرہ سے گوہر اور شخص سے شخصیت بننے کی تشکیلی اساس میں حیدرآبادی تہذیب کی جھلک تھی، بریلی کی وسیع و مؤثر وضع داری تھی اور پھر کراچی کا بانکپن تھا اور سب پر مستزاد حسینی خون کا تیور و طمطراق کہ بس اس جان جاناں کا نظارہ کرتے ہی بنے۔ قد مبارک تو سرو قد، قامت زیبا کی اٹھان تو عرب ناقوں کی کوہان، دراز قدوں میں سربلند، پست قدوں میں سرفراز۔ جلوت و خلوت اور مجلس و مجمع عام میں دور سے دِکھائی دیں۔ سرحدیں دم بخود، کبھی اس پار اور کبھی اس پار پہنچانے جائیں۔ ایسی قدآور شخصیت، ایسی مقتدر ہستی۔ وہ کراچی ہی کیا؟۔ وہ تو تمام کرۂ ارض کی شان تھا۔ عقابی آنکھوں کی چمک، اس پر لگی عینک، عجب بہار کا سماں پیدا ہوتا تھا۔ اونچی و باریک ناک، تو خانوادۂ سیادت مآب کی خاص شناخت ہے۔ جو امامت و قیادت اور سرداری و سربراہی کی علامت ہے۔ پارۂ سیم وطلا کی آمیزش لیے رنگت ایسی دل بہار کہ جاں نثار کیا کیجیے۔ دل

نچھاور کیا کیجیے۔ لبہائے نازنین تو ایسے کہ کتنے لالہ رخوں، زہرہ جبینوں اور سیم ساقوں کے لبہائے نازک کی سرخیاں قربان۔

سنت نبوی کی بہار لیے دستار زیب سر، کبھی شیروانی، کبھی جبہ زیب سیم تن، دست اقدس میں منقش عصا، ساتھ میں خدام وحفاظتی دستہ، اب جب یہ شہزادۂ غوثیت مآب لب وا کریں اور لہجہ دھیمہ ہو، تو شیرینی سے پر، مٹھاس سے بھرپور، علمی نکات سے لبریز اور سوقیت وابتذال سے دور، لگے کہ 'نہج البلاغۃ' کے اوراق وصفحات سے علم ومعرفت، حکمت ودانائی، زبان و بیان کی رعنائی و برنائی اور درد وسوز رم جھم بارش ہورہی ہے اور جب لہجہ ذرا تیز ہو، تو شیر نر کی وہ دھاڑ وللکار کہ کوہ وجبل کے سینے دہل اٹھیں اور ابل پڑیں، مگر دونوں صورت میں وقار، متانت، سنجیدگی اور تاثیر وتاثر برقرار۔ پھر کس میں یارا کہ اس مواج وجوال رفتار پر بند باندھ سکیں۔ بس اب صرف سنا کیجیے اور دیکھا کیجیے اس مرد مجاہد، بطل جانباز، شہریار علم، شہباز سلوک و معرفت، فکر وتدبر کا تاجور، خطابت ومناظرہ کا تاجدار، کردار وعمل کا کھنکتا سکہ، زبان وادب کا بادشاہ، تاریخ وثقافت کی چلتی پھرتی لائبریری، تکلم، تخاطب، تقریر، تحریر، تحقیق، تنقید، حسن مزاح اور لطیف طنز وظرافت کے اداشناس اور سب سے بڑھ کر یہ کہ متین و متواضع، حلیم وبردبار، شفیق وکریم، نیک خوئی وخیر خواہی کے خوگر، عشق ووفا اور صدق وصفا کی ڈگر، نبوی اخلاق اور ساداتی صفات کے اس پیکر کے جوبن کا تماشہ، جواب اس وقت اوج وموج پر ہے۔

[۲]

حضرت والا گوہر کا یہ مزاج کہ اگر کوئی مصلح ومقرر ہوائی جہاز سے آیا۔ ہوٹل میں قیام رہا۔ رات خطاب کیا اور صبح رخصت ہو گیا، تو نتیجہ خیز کام نہ ہوگا۔ نتائج واثرات اس وقت ظاہر ہوں گے۔ جب کہ آپ عوام میں گھس کر اور بیٹھ کر ان کے دکھ درد کو بانٹیں اور ان کے مسائل کو سمجھیں اور حل پیش کریں۔ صرف تھیوری بتانے اور فارمولہ سنا دینے سے کام بنتا نظر نہیں آتا۔ جب تک نہایت ہمدردی کے ساتھ عملی تربیت وتعاون نہ ہوگا، اثر بھی مرتب نہ ہوگا'۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ہمدردی ودردمندی سے لبریز اور حکمت و موعظت سے پر یہ جملے کسی رہنما اصول، حکیمانہ وصوفیانہ اور دانشورانہ نکات سے کم نہیں۔ عوامی وسماجی معاملات ومسائل کی جڑوں تک پہنچ کر ان کے فاسد اسباب وعوامل کی تشخیص اور پھر انہیں راست رخ پر لا کر حل کر دینا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی قائدانہ ومدبرانہ اور خداداد صلاحیتوں کا بین ثبوت تھا۔ خواہ وہ مسائل علمی و تعلیمی ہوں یا دینی وعرفانی ہوں یا سماجی وسیاسی یا پھر معاشی وروزگاری۔ اگست ۲۰۰۱ء میں یہ خاکسار کراچی پہنچا۔ مقالۂ ڈاکٹریٹ کے لیے یہ مطالعاتی سفر تھا۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے صدر عالی وقار سید والا تبار سید وجاہت رسوال قادری صاحب بنفس نفیس اسٹیشن پر موجود تھے۔ دیکھتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے کہ میری حیثیت تو طالب علمانہ تھی۔ صدر موصوف مجھے اپنے گھر لے گئے اور فریش ہو کر پھر اپنی گاڑی سے جماعت اہل سنت پاکستان کے امیر ورئیس، لاکھوں لاکھ انسانوں کے ماوا وملجا اور مرشد ومربی حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کے دفتر لے گئے۔ بعد رسم تعارف وتواضع برکت آثار ہونٹوں سے جو پہلا جملہ نکلا، یہ تھا: پولیس اسٹیشن میں کاغذات کی انٹری ہو گئی؟۔ صدر موصوف نے کہا: ابھی تو پہلے پہل یہیں آئے ہیں۔ فرمایا: ویزا، پاسپورٹ لائیے۔ دیکھ کر فرمایا: ویزا صرف کراچی کا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ انٹری ہو جائے گی۔ یہ فرما کر کاغذات ایک کارکن کے حوالے کر دیا۔ تب فرمایا: آپ لاہور ضرور جائیے گا۔ ملتان، فیصل آباد اور اسلام آباد، جہاں جہاں ضرورت ہو، بے خوف ہو کر جائیے۔ یہ رکھیے ہمارا کارڈ اور جب واپس بھارت جانا ہو، ایک دن پہلے اطلاع کر دیجیے گا۔ تاکہ قانونی دفتری کام نپٹا کر آپ کا ویزا، پاسپورٹ آپ کو بروقت مل جائے'۔

یہ سن کر صدر موصوف نے کہا: لیجیے۔ آپ کا کام بن گیا'۔ کوئی

ایک مہینہ یہ خاکسار علمی افراد و شخصیات، اداروں، اکیڈمیوں اور لائبریریوں کے دروازے کھٹکھٹاتا اور تلاش و مطالعہ میں مصروف رہا۔ جب واپسی کا وقت آیا، خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ سفرو تلاش اور حصول مواد کی روداد سنائی۔ سن کر فرحاں و شاداں ہو گئے۔ فرمایا: کل واپسی ہے؟ عرض کیا: جی۔ فرمایا: اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم علیہما الرحمہ، میرے سرکاروں پر خوب دل لگا کر کام کیجیے گا۔ یہ کام بارگاہ غوث پاک میں قبول ہوگا اور آپ سرخرو ہوں گے۔ عرض کیا: حضور! آپ اپنی خوصی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ دونوں دست ہائے اقدس اٹھا کر میرے سر پر رکھا۔ دیر تک کچھ پڑھ کر سر اور سینے پر دم کیا اور پھر فرمایا: یہ ہدیہ ہے [قلم، کتابیں اور کپڑے] اور یہ زاد راہ [نقد رقم] جایئے۔ آپ کو اللہ و رسول کی امان میں دیا'۔ دست بوسی کی اور الٹے پاؤں واپس ہوا، تو میرا سراپا احسان سے خمیدہ تھا اور پلکیں اشک تشکر سے نمناک تھیں۔

ہندوستان پہنچ کر میں نے ٹیلی فونک رابطہ رکھا۔ کاموں کی پیش رفت اور رپورٹ دیتا رہا اور دعائیں لیتا رہا۔ ۲۰۰۵ء میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے اپنا پچیس سالہ جشن منایا۔ ہندوستان سے کئی حضرات مدعو تھے۔ ان میں خاکسار کا نام بھی تھا۔ لیکن نہ مجھے جانے کا موقع تھا اور نہ ویزا ہی ملا۔ اس وقت تک خاکسار کی کئی کتابیں ہند و پاک سے شائع ہو چکی تھیں۔ اس جشن میں میں تو نہیں پہنچ سکا، مگر میری کتابیں ضرور پہنچ گئیں۔ ایک سیٹ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضر کیا تھا۔ ۲۰۰۷ء تک خاکسار کی اور کتابیں شائع ہو کر منظر عام آئیں۔ پروفیسر محمد مسعود احمد نقشبندی، علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، علامہ اقبال احمد فاروقی علیہم الرحمہ اور خود حضرت صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری زید مجدہ کی خصوصی دعوت پر ۱۷؍مارچ ۲۰۰۷ء کو دوش ہوا پر صبح سویرے کراچی حاضر ہوا۔ شام کو'امام احمد رضا سیمینار و کانفرنس' میں مقالہ پڑھ کر سنایا۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ ہی صدارت فرما رہے تھے۔ سامعین اور خواندہ افراد سے ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ برسر منبر شاہ صاحب علیہ الرحمہ، کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر قاسم رضا، صوبائی حکومت سندھ کے ایک معزز وزیر اور صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری نے مل کر خاکسار راقم کی گل پوشی کی، گولڈ میڈل گلے میں ڈالا اور شال پوشی کی۔ ایک بار پھر یہاں میرا ماتھا جھکا ہوا تھا اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ اس وقت میری ماں اور ان کی دعائیں مجھے، بہت یاد

[۳]

آرہی تھیں۔ جب کہ دل حمد الٰہی میں سجدہ ریز تھا۔

شہر کراچی اور دوسرے شہروں میں خاکسار کے اعزاز میں کئی استقبالیہ مجلسیں منعقد ہوئیں۔ ان میں ایک یادگار اور شاندار جلسہ طالب ہاشمی کے بنگلہ کے پارک نما گارڈن میں آراستہ ہوا۔ جس میں شہر کے علما، دانشوران اور معززین نے شرکت کی۔ صدارت و سرپرستی پھر وہی شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی تھی۔ مبادیات کے بعد خاکسار کو موقع دیا گیا' امام احمد رضا اور علما و مشائخ کراچی: عقائد و فکری نظریات میں قدر اشتراک اور روابط و تعلقات' عنوان بنا کر بیان کیا۔ بحمد اللہ سامعین ایک خوشگوار تاثر سے سرشار تھے۔ بعدہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے اراکین و مخلصین اور حکومت پاکستان کے سابق کیبنٹ منسٹر اور' المصطفیٰ فلاحی سنٹر' کے سربراہ حاجی حنیف طیب نے ایک خطیر رقم اعزازیہ میں پیش کیا۔ خاکسار نے شکریہ کے ساتھ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کو بخلوص وصدق دل نذر کر دی۔ اس عمل سے حاضرین پھر ایک بار محظوظ و مسرور ہوئے۔ تب صدر مثل بدر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ مائک کے سامنے نمودار و جلوہ بار ہوئے اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

'بھارت سے آئے عزیزم ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب نے اپنے علمی ذوق، قابل قدر کام اور پرخلوص عمل سے ہم سب کو ایک خاص لذت و کیف سے ہمکنار کر دیا ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اعلیٰ

حضرت اور مفتی اعظم علیہما الرحمہ کے اس فرزند معنوی کا اقبال اللہ تعالیٰ روز افزوں بلند کرے۔ اور پھر فرمایا: عزیز موصوف نے اعزاز یہ تو نذر گزار دی۔ لیکن میں انہیں ایک ایسے اعزاز سے سرفراز کرتا ہوں، جس کو یہ دنیا و عقبیٰ کی سعادت و سرفرازی تصور کریں گے۔ یہ فرما کر اس گنہگار کو اپنے سینے سے لگالیا اور اعلان فرمایا: میں انہیں بزرگوں کی روحانی امانتوں، جو مجھے اپنے مرشدان کرام سے تفویض ہوئی ہیں، کی اجازت و خلافت سے معزز و متفخر کرتا ہوں۔ اس شرط کے ساتھ کہ حسن نیت اور حسن عمل سے اپنی حیات کے لمحوں کو معمور رکھیں اور خلق خدا کو فائدہ پہنچائیں'۔

حاضرین نے مبارک باد دی۔ اس لمحۂ مسعود اور برکت و مسرت خیز گھڑی میں لگا کہ یہ کس عالم بالا کی سیر ہے اور سارا وجود وجد و کیف کی رقت و مسرت سے شرابور تھا اور ضمیر نے اندر سے آواز دی: یہ فضل الٰہی و رسالت پناہی کی موج کرم کی بھرن ہے اور فیضان رضا کی اترن ہے۔ اختتام سفر پر پھر حاضر خدمت عالیہ ہوا۔ تب پھر وہی ماسبق جیسی داد و دہش اور دعائیں اور یہ فرما کر رخصت کیا: جا بیٹا! جا!! خدا اور سول کی رضا اسی میں ہے کہ میرے رضا کا کام کرو۔ یہ کام آپ کو دنیا و آخرت میں شادکام کرے۔ جا، اللہ و رسول آپ کا حامی و ناصر ہو'۔ یہاں ایک بار پھر میری آنکھیں آب اشک سے وضو کرنے لگیں اور جب ان کے دفتر سے باہر آیا، تو میرے قدم سوسو من کے ہو چکے تھے۔ آہ! وہ ایک یادگار اور آخری ملاقات تھی۔ سترہ دن بعد جب سرزمین پاک سے واپسی ہونے لگی، تو محبت، عنایت، نوازش، اللہ حافظ اور دعائیہ والوداعیہ کلمات کی سوغاتیں دامن میں سما نہیں رہی تھیں۔ پاک دل حضرات کی محبتوں اور یادوں کی لکیریں ذہن کے اسکرین پر ایک ایک کر کے ابھر اور ڈوب رہی تھیں۔

امیر جماعت اہل سنت پاکستان حضرت سید شاہ محمد تراب الحق قادری، سعادت لوح و قلم پروفیسر محمد مسعود احمد علیہما الرحمہ کراچی میں، محسن و کرم فرما حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، حضرت مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی، سفیر رضویات علامہ اقبال احمد فاروقی اور الحاج مقبول احمد ضیائی علیہم الرحمہ لاہور میں، ان کے نورنور چہرے اور ان کی یادیں اور باتیں، جن سے خوشبو ہی خوشبو بکھرتی تھی، نوع بہ نوع ہو کر سماعت و بصارت کے پردوں پر ناچ رہی ہیں۔ گونج رہی ہیں۔ ان ڈوبے آفتابوں کی شعاؤں سے قلب و نظر روشن ہے۔ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے حنا کی شبستانوں کو روشن و منور رکھے۔

خانقاہ و درسگاہ، عوامی جلسہ گاہ اور ایوان سیاست و اقتدار تک جن کی ہر ایک اپیل پر لبیک کہتا تھا اور کبھی کبھی تو لرز ہی اٹھتا تھا۔ ایسا فرد فرید، مرد خلیق، سوختہ دل، جانباز و جگر باز، جب خانقاہی محبت و مروت، نرمی و نیک خوئی اور انسانی تہذیب و شرافت سے کام نہیں چلتا تھا، تو پھر نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری' پر عمل پیرا ہو جاتا تھا، بندگان خدا کا وہ ہجوم، جو ان کی حیات پاک میں ان کے جلو میں اکٹھا ہوتا تھا، آج ان کے جلوس جنازہ میں اس کا پچاسوں گنا ازدہام کراچی کے بولٹن مارکیٹ میں مجتمع ہو گیا تھا۔ یہ ان کی خداداد مقبولیت و ہر دل عزیزی کا بین ثبوت تھا۔ ان کی جاں گداز خدمات جلیلہ کا عظیم صلہ تھا اور یہ بارگاہ الٰہی کا وہ بھاری انعام تھا، جو

[۴]

اس نے اپنے بندوں کو دکھا دیا اور بتادیا کہ جو خدا کی راہ تسلیم و رضا میں مرمٹ چکا ہوتا ہے، اللہ کریم اس کے نام و نشان کو یوں ہی نیک نام و تابناک کر دیتا ہے۔ کراچی کی تاریخ گواہ ہے کہ امیر جماعت اہل سنت پاکستان، زعیم و ضیغم قوم و ملت زندہ تھے اور زندہ رہیں گے۔ بس بات صرف اتنی ہے کہ اب وہ ایک ریشمی چلمن کے اس طرف ہے۔ جہاں سے وہ تو دیکھ سکتے ہیں۔ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں! اہل نظر اور صاحب دل کی بات پھر کچھ اور ہے۔

مخدوم گرامی مرشد اجازت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، جن سے کئی کئی بار اکتساب فیض کیا تھا، وہ پچھلے کئی برسوں سے علیل تھے۔ ابھی

۱۳؍اکتوبر کو صاحب زادہ سید وجاہت رسول قادری سے دیر تک برقی لہروں پر بات ہوئی۔ فرمانے لگے: شاہ صاحب قبلہ کی حالت بہت نازک ہے۔ دعا کریں اور کرائیں کہ اللہ جل مجدہ راحت و عافیت عطا فرمائے۔ پھر ۱۶؍اکتوبر کو وہ خبر سنائی، جس کو سننے والا اور سنانے والا، دونوں کا دل ڈوب جاتا ہے۔ 'شاہ صاحب وصال فرما گئے'۔ یہ سن کر کس کی تاب ہے کہ اپنے پر قابو پائے اور پلکوں کا جھرنا روک لے۔ استرجاع پڑھا اور بے جان سا ہو کر رہ گیا۔ اپنی لائبریری میں بیٹھا تھا۔ فوراً ان کی دی ہوئی کتابیں، جن پر شاہ صاحب کے دستخط اور دعائیہ جملے ہیں، ان کی تحریروں کو بوسہ دینے لگا۔ تب پھر اپنے آپ کو سمیٹ اور سنبھال کر احباب کو یہ اندوہ ناک اطلاع دے کر عرض کیا کہ وہ مجلس تعزیت وایصال ثواب قائم کر کے بلندی درجات کی دعا کریں۔ چنانچہ کئی مدارس ومساجد میں یہ عمل خیر انجام دیا گیا۔ کل ۷؍ اکتوبر یوم جمعہ تھا۔ یہاں کثیر مسجدوں میں بعد نماز جمعہ بلندی درجات کے لیے دعائیں کی جارہی تھیں اور وہاں نماز جنازہ کے بعد مخدوم گرامی قدس سرہ الباری کو اللہ کریم کے جوار رحمت میں سلا کر 'نم کنومة العروس' کا مژدہ جانفزا سنایا جارہا تھا۔ اس سوگوار تحریر کے وقت ان کا گلاب سا کھلا چہرہ، ان کے نصیحت آمیز اور دعائیہ جملے، جو اپنی زندگی کا نصب العین بنا ہوا ہے، ان کی فکر و تدبر اور درد و تڑپ سے تر آواز کی کھنک اور گرج، جس میں شبنم کی سی نمی اور برف کی سی ٹھنڈک ہوتی تھی، سامنے مجسم ہو کر کھڑی ہو گئی ہے اور 'اے شہر خوباں کے شہریار!' اور 'اے جلوۂ صد رنگ! تو کہاں کھو گیا' میری زبان کا ورد بنا ہوا ہے۔ اے میرے پاک پروردگار خالق و مالک! تو اپنے محبوب کے صدقے میں ان کے مشن 'جماعت اہل سنت' کو زندہ و تابندہ اور فعال و متحرک رکھ اور ان کے صاحب زادے و جانشین حضرت علامہ سید شاہ محمد عبد الحق قادری دامت برکاتہم کو ان کے مشن کا مخلص و سرگرم سربراہ اور 'الولد سر لابیہ' کا سچا عکس و مظہر بنا! آمین ثم آمین یارب العالمین۔

''نعت پاک''

ہر عیش جہاں سے وہ بیزار نظر آیا
''جو اُن کی محبت میں سرشار نظر آیا''

دیکھو اے تہی دستو! دیکھو وہ اُدھر دیکھو
وہ قاسمِ نعمت کا دربار نظر آیا

ہر نیک عمل سے تو غافل ہی رہا، لیکن!
دل اُن کے تعلق سے بیدار نظر آیا

جو پی کے ہو آئے خود میخانۂ طیبہ سے
ہر مرحلۂ غم میں ہشیار نظر آیا

یٰسین بھی، طٰہٰ بھی، تو نورِ سراپا بھی
تو ہی تو بہر عنواں ضوبار نظر آیا

اربابِ محبت کو ہر آیت قرآں میں
روشن مرے آقا کا کردار نظر آیا

خاک رہِ طیبہ کا ہر ذرہ نثارؔ ہم کو
اک عظمت و رفعت کا مینار نظر آیا

نثار کریمی

گھوسی، مئو

☆☆☆

''مسلم پرسنل لا'' کیا ہے؟ تاریخی پس منظر

مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت وبادشاہت قائم رہی۔ مسلم سلاطین وحکام نے بلاتفریق مذہب وملت ہرایک اہل وطن کے ساتھ عدل وانصاف کی وہ روایت قائم کی کہ دنیا کی شاہی وجمہوری حکومتیں آج تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ہر ہندوستانی معاشی طور پر خوشحال تھا، دولت وثروت کی ایسی فراوانی کہ ہندوستان ساری دنیا میں ''سونے کی چڑیا'' کے لقب سے متعارف ومشہور تھا۔ پھر انگلینڈ کے عیسائیوں نے ہندوستانی امرا وحکام کو آپس میں لڑا کر اور مختلف عیاریوں کے ذریعہ ہندوستان کی اسلامی بادشاہت کو ختم کردیا۔ انگریزی حکومت، ملک ہند میں جاری اسلامی قوانین کو رفتہ رفتہ کالعدم قرار دینے کی کوشش میں لگی رہی۔ چنانچہ ۱۸۶۲ء میں اسلام کا فوجداری قانون ختم کردیا گیا۔ اس کے بعد قانون شہادت اور قانون معاہدات کو منسوخ کردیا گیا۔ اب معاشرتی وعائلی قوانین مثلاً نکاح، خلع، طلاق، میراث وغیرہ امور میں تبدیلی لانے کے لیے غور وفکر کا سلسلہ شروع ہوا۔ برٹش گورنمنٹ نے غور وفکر کے لیے رائل کمیشن (Royal Commission) مقرر کیا۔ اس کمیشن نے یہ رپورٹ پیش کی کہ معاشرتی قوانین میں تبدیلی براہ راست مذہبی امور میں مداخلت کے مترادف ہے، جسے مسلمان برداشت نہیں کرسکیں گے اور حکومت کے استحکام کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر ہندوستان کی انگریزی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ معاشرتی وعائلی مسائل میں مسلمان، قانون شریعت پر اور ہندو قوم، شاستر پر عمل کرے گی۔

شریعت اپلی کیشن ایکٹ 1937

اسی درمیان ایک واقعہ پیش آگیا کہ ایک لڑکی نے اپنے باپ کی میراث کے لیے کورٹ میں مقدمہ دائر کردیا کہ میرے بھائی نے مجھے باپ کی میراث سے محروم کردیا ہے، جبکہ مذہب اسلام میں بہن کو بھائی کا نصف حصہ ملتا ہے۔ اس پر بھائی نے عدالت میں بیان دیا کہ ہم نسلی طور پر فلاں ہندو قوم سے ہیں، جس میں لڑکیوں کو باپ کی میراث سے حصہ نہیں ملتا ہے۔ یہی رواج آج تک ہمارے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ برطانوی قانون میں رواج کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس لیے جج نے لڑکے کے حق میں فیصلہ کردیا۔ یہ فیصلہ اسلامی شریعت کے خلاف اور عورتوں کے ساتھ ظلم کے برابر تھا۔ اس لئے علما ومشائخ کی مشترکہ کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں ''شریعت اپلی کیشن ایکٹ'' (Shariat Application Act,1937) بنا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نکاح، طلاق، خلع، ظہار، مبارات، فسخ نکاح، حق پرورش، ولایت، حق میراث، وصیت، ہبہ اور شفعہ سے متعلق معاملات میں اگر دونوں فریق مسلمان ہوں تو شریعت محمدی کے مطابق فیصلہ ہوگا، خواہ عرف ورواج کچھ بھی ہو۔

آزاد ہندوستان کا دستور وآئین

ملک ہند کی آزادی کے بعد اہل ہند نے وزیر قانون ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر کی قیادت میں ایک مستقل ملکی دستور مرتب کیا، جس میں برٹش گورنمنٹ کے بھی بہت سے دفعات وقوانین باقی رکھے گئے اور بہت سے جدید اصول وضوابط بھی ترتیب دیئے گئے۔ ۲۶/جنوری ۱۹۴۹ء سے اس جدید دستور کا نفاذ ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک ہند کا دستور وآئین، دنیا کے تمام جمہوری ملکوں کے دستور پر فوقیت رکھتا ہے۔ دستور ہند کی دفعہ 25 میں ہر قوم اور ہر طبقہ کو مذہبی وتمدنی آزادی دی گئی۔ اسی طرح دستور کی دفعہ 26,27,28,2930 میں ان امور کی وضاحت کی گئی ہے۔ دستور کی دفعہ 16& 15 میں بھی اس کی تشریح ہے۔ دفعہ 25 درج ذیل ہے۔

25-(1)Subject to public order,morality and health and to the other provisions of this part, all persons are equally entitled to freedom of conscience and the right freely to profess, practise and propagate religion.(The Constitution of India p.13)

بنیادی حقوق (Fundamental Rights)

ملکی دستور کے حصہ سوم (part III) میں دفعہ 12 سے 35 تک بنیادی حقوق کا بیان ہے۔ ان میں مرکزی حکومت یا ریاستی حکومت کو تبدیلی وتغیر کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اگر کوئی حکومت ان میں سے کسی قانون کو رد کرتی ہے تو حکومت کا فیصلہ ہی باطل قرار پائے گا، لیکن ان دفعات کو ہندوستانی دستور تحفظ کی ضمانت دے چکا ہے۔ دفعہ 13& 12 میں اس کی مفصل وضاحت موجود ہے۔ دفعہ 13 کا سیکشن 2 مندرجہ ذیل ہے۔

13-(2)The state shall not make any law which takes away or abridges the rights conferred by this part and any law made in contravention of this clause shall, to the extent of the contravention, be void.(The Constitution of India p.6)

ہندوستانی پارلیامنٹ کے بعض فیصلے

آزادی ہند کے بعد ہندوستانی پارلیامنٹ میں بعض فیصلے ایسے ہوئے جو اسلامی شریعت سے متصادم تھے۔ اسی طرح ہندوستانی کورٹ کے بھی بعض فیصلے ''مسلم پرسنل لا'' کے خلاف تھے۔ مسلم علما ومشائخ اور عمائدین وقائدین نے اس جانب اہل حکومت کی توجہ دلائی، پھر ان فیصلوں میں ترمیم کی گئی۔ ان تمام فیصلوں کا احاطہ چند صفحات میں مشکل امر ہے۔ اس لئے چند مثالیں سپرد قرطاس کی جاتی ہیں۔

متبنیٰ بل

سال ۱۹۷۱ء میں لوک سبھا میں ''متبنیٰ بل'' پاس ہوا۔ اس بل کے اعتبار سے بلاتفریق مذہب وملت ملک کی تمام قوموں کے لیے ''متبنیٰ'' (گود لیا ہوا بچہ) کو اولاد کا درجہ دیا گیا اور منہ بولے بیٹے کو مرد وعورت کے ترکہ میں حقیقی بیٹے کی طرح وارث قرار دیا گیا۔ پھر ۱۹۷۲ء میں راجیہ سبھا میں بھی یہ بل پاس ہو گیا اور وزیر قانون گوکھلے نے اعلان کیا کہ یہ یکساں سول کوڈ کی حیثیت سے تمام شہریوں پر نافذ ہوگا۔ چونکہ یہ ملکی قانون، اسلامی شریعت کے خلاف تھا، کیونکہ منہ بولا بیٹا ترکہ کا وارث نہیں ہوتا۔ اس لئے مسلم قائدین کی تحریک اور بحث ومباحثہ کے بعد ہندوستانی حکومت نے اس بارے میں رائے عامہ حاصل کرنے کے لیے پارلیامنٹ کی ایک جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی بنائی۔ پھر اس کمیٹی نے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ حکومت کے سامنے پیش کیا اور ۱۹/ جولائی ۱۹۷۸ء کو جنتادل کی حکومت نے مسلمانوں کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے یہ بل واپس لے لیا اور وزیر قانون نے پارلیامنٹ میں اعلان کیا کہ اسلامی شریعت میں متبنیٰ کو وراثتی حقوق حاصل نہیں ہیں، اس لئے اس بل کو واپس لیا جاتا ہے۔ پھر کانگریس حکومت نے ۱۹۸۰ء میں دوبارہ اس بل کو پارلیامنٹ میں پیش کیا، لیکن مسلم زعما وقائدین کی کوششوں کے سبب مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

اوقاف کی آمدنی پر ٹیکس

سال ۱۹۸۰ء میں حکومت نے ایک بل پاس کیا، جس کی رو سے اوقاف کی آمدنی پر بھی ٹیکس کو لازم قرار دیا گیا۔ پھر مسلم قائدین نے وزیر اعظم اندرا گاندھی سے ملاقات کر کے اس بل کو ختم کروایا۔

شاہ بانو کیس

شاہ بانو بیگم، اندور (مدھیہ پردیش) کی ایک مسلم خاتون تھی۔ سال ۱۹۳۲ء میں اندور (مدھیہ پردیش) کے مشہور ومعروف وکیل محمد احمد خاں سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ یہ پانچ بچوں کی ماں اور ۶۲/ سالہ خاتون تھی۔ اس کے شوہر اسے خرچ کے لیے ہر ماہ دوسو روپے ماہانہ دیا کرتے تھے، پھر انہوں نے کہا کہ یہ عورت اپنا اور ہمارے بچوں کا خیال نہیں رکھتی ہے۔ اس لیے اس نے خرچ دینا بند کر دیا۔ شاہ بانو نے نان ونفقہ کے لیے اپریل ۱۹۷۸ء میں اندور کے لوکل کورٹ میں کریمنل قانون کے سیکشن ۱۲۵/ (Criminal Procedure Code / Act 125) کے تحت مقدمہ درج کروایا اور اپنے شوہر سے پانچ سو (500/) روپے ماہانہ خرچ کا مطالبہ کیا۔ اس کے شوہر نے نومبر ۱۹۷۸ء میں شاہ بانو کو طلاق دیدیا اور کہا کہ مسلم پرسنل لا کے اعتبار سے مطلقہ خاتون (عدت کے خرچ

کے علاوہ) نان ونفقہ کی حقدار نہیں۔ پھر اندور کے لوکل کورٹ نے شاہ بانو کو ہر ماہ پچیس روپے (25) ماہانہ خرچ دینے کی ہدایت کی۔ یکم جولائی ۱۹۸۰ء کو شاہ بانو نے مدھیہ پردیش ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردیا۔ ہائی کورٹ نے ایک سو اناسی روپے، بیس پیسے (179.20) ماہانہ خرچ دینے کا فیصلہ کیا، تب اس کے شوہر نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کیا کہ شاہ بانو، اب اس کی بیوی نہیں ہے، بلکہ وہ اسے طلاق دے چکا ہے اور "مسلم پرسنل لا" کے اعتبار سے مطلقہ عورت (عدت کے بعد) نان ونفقہ کی حقدار نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ شاہ بانو کو خرچ نہیں دے سکتا، نیز اس کی دوسری بیوی بھی ہے۔ ۲۳/اپریل ۱۹۸۵ء کو سپریم کورٹ کے پانچ ججوں پر مشتمل ایک بنچ نے شاہ بانو کیس میں مطلقہ کے لیے تاحیات یا تا نکاح ثانی شوہر پر نفقہ کو لازم قرار دیا اور مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے فیصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے محمد احمد خاں کے اپیل کو خارج کردیا، ساتھ ہی اس قانون کو عورتوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والا ظاہر کرنے کی کوشش ہوئی اور "مسلم پرسنل لا" کا لحاظ نہ کیا گیا۔

اس موقع پر ہندوستان بھر میں مسلمانوں نے پرزور احتجاج، جلسے اور عظیم الشان کانفرنسیں کیں۔ تمام مسلمانوں نے پورے ملک میں "مسلم پرسنل لا" کی حفاظت کے لیے سلسلہ وار تحریکیں چلائیں۔ مسلم قائدین نے ہندوستان کے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے بھی ملاقات کی۔ بالآخر کانگریس حکومت نے ۶/مئی ۱۹۸۶ء کو "قانون تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خواتین" Muslim Women (Protection of Rights on Divorce) Act 1986 پارلیامنٹ میں پاس کیا۔ کانگریس پارٹی اس وقت بھاری اکثریت کے ساتھ پارلیامنٹ میں براجمان تھی۔ پارلیامانی انتخاب میں اسے تاریخی فتح حاصل ہوئی تھی۔

سال ۱۹۳۲ء میں شادی ہوئی تھی اور سال ۱۹۷۸ء تک اس کے بچے سب جوان ہو چکے تھے۔ شاہ بانو کے تین جوان بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ اس عمر میں تو بچے ہی ماں باپ کو خرچ دیا کرتے ہیں۔ خود شاہ بانو کی عمر اس وقت باسٹھ ۶۲/سال تھی، اس عمر میں عورتوں کو نہ شوہر کی ضرورت ہوتی ہے، نہ اس کے خرچ کی۔ پھر ۱۹۸۰ء کے عشرہ میں ایک وکیل پیشہ آدمی سے پانچ سو روپے کا مطالبہ بھی ایک بڑا مطالبہ ہے۔ اس مقدمہ کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ تھا؟ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے وکیلوں کی فیس سن کر انسان کا دماغ گھومتا ہے، پھر شاہ بانو اتنی رقم کہاں سے لاتی تھی؟ شاہ بانو کے دونوں قدم قبر تک پہونچ چکے تھے، وہ اندور سے دہلی سپریم کورٹ تک کا چکر کیوں لگا رہی تھی؟ "تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خواتین بل" پارلیامنٹ میں پاس ہونے کے بعد مختلف سیاسی پارٹیوں نے اس قانون کو تنقیدوں کا نشانہ کیوں بنایا؟ شاید کوئی سوچی سمجھی سازش تھی۔ آج سائرہ بانو کیس کا معاملہ بھی ویسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔

جب ملکی دستور میں "عائلی مسائل" میں ہر ہندوستانی قوم کو اپنے "پرسنل لا" پر عمل کی اجازت ہے تو یقینی طور پر عائلی قوانین عام قوانین سے مستثنیٰ قرار پائیں گے، ورنہ پھر دستور ہند ہی میں تعارض وتضاد تسلیم کرنا ہوگا کہ بعض دفعہ کے اعتبار سے "عائلی مسائل" قابل عمل اور بعض دفعہ کے اعتبار سے ناقابل عمل قرار پاتے ہیں۔

شاہ بانو کے مقدمہ میں "مسلم مطلقہ بیوی" کو (بعد عدت) نان ونفقہ دینے کا خلاف اسلام قانون جاری کیا گیا، پارلیامنٹ کا پاس کردہ ایکٹ بھی ناقابل عمل قرار پایا، بلکہ خود اس ایکٹ میں خامیاں دکھلائی گئیں، حد تو یہ ہے کہ خداوندی قانون میں حرف گیری کی گئی۔ جب نکاح وطلاق وغیرہ عائلی امور میں قوم مسلم کو ان کے "پرسنل لا" پر عمل کی اجازت دستور میں موجود ہے تو پھر حیلوں، بہانوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلامی شریعت سے دور کرنے کی کوشش یقینا ایک مذموم کوشش تھی۔ مسلمانوں کی ساری کاوشیں بھی رائیگاں ہوئیں۔ اب اس مرتبہ مذہب اسلام کے احکام ومسائل میں سے طلاق ثلاثہ، تعدد ازدواج، حلالہ وغیرہ پر حملہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء الرسول ﷺ کامیابی نہیں ملے گی۔

سال ۱۹۹۲ء میں شاہ بانو کی موت ہوئی۔ دہلی میں علما ودانشوروں کے سمجھانے پر شاہ بانو نے خود ہی اپنے شوہر سے نان ونفقہ طلب نہ کیا اور اندور واپس آکر ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ اس نے اعلان کردیا کہ چونکہ اس کا مطالبہ اسلامی شریعت کے خلاف تھا، اس لیے وہ اب اپنے شوہر سے نان ونفقہ کا مطالبہ ترک کر رہی ہے۔ وہ بولی کہ اگر شریعت کے خلاف میں نان ونفقہ کا مطالبہ کروں گی تو میں عذاب کا

حقدار بن جاؤں گی، پھر لوگ مجھے مثال بنا کر شریعت کی خلاف ورزی کریں گے۔ شاہ بانو کیس کے وقت ہندوستانی مسلمانوں نے ملکی پیمانے پر جو کچھ کوششیں کیں، ان سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا، بلکہ ایک بڑا تاریخی نقصان یہ ہوا کہ فرقہ پرست قوتوں نے مذہب کے نام پر ہندوؤں کو متحد کرنا شروع کیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماقبل الیکشن میں بی جے پی پارٹی کو پارلیامنٹ کی صرف دو سیٹ ملی تھی اور مابعد کے الیکشن میں بی جے پی کو پارلیامنٹ کی ۸۶/سیٹوں پر کامیابی ملی، پھر اسی کے نتیجہ میں ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کی شہادت ہوئی اور ہندوستانی اقوام کو بتادیا گیا کہ ملک ہند میں ہندو قوم کی اکثریت (Majority) ہے، یہاں قوم ہنود کی بالادستی قائم ہوگی، آج یا کل دوسری قوموں کو خموشی اختیار کرنی ہوگی۔ گرچہ ملک ہند کا دستور جمہوری ہے، لیکن ان قوانین واصول کی غلط تشریح وتاویل کرنا کونسا مشکل امر ہے؟

مذہب اسلام کے قوانین

مذہب اسلام نے جو قوانین انسانوں کو عطا فرمایا ہے، اس سے بہتر قانون نہ تو قانون کی کسی کتاب میں دستیاب ہوسکتا ہے، نہ ہی کسی قانون ساز کی عقل اس سے عمدہ قانون بنا سکتی ہے۔ ہاں، ان قوانین کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، اس کے تمام اصول وضوابط فطرت انسانیہ کے مطابق وموافق ہیں۔ جب ایک مرد کا کسی عورت سے زوجیت کا رشتہ قائم ہو تو محض اسی رشتہ کی بنیاد پر شوہر نان ونفقہ وسکنیٰ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جس رشتہ کی بنا پر وہ ذمہ دار ہوا، جب وہی رشتہ ٹوٹ جائے تو عقلی طور پر بھی وہ بری الذمہ قرار پاتا ہے۔

فوجداری قانون 125

سال ۱۹۷۳ء میں یہ قانون بنایا گیا۔ والدین، اولاد، بیوی یا مطلقہ اگر خود سے اپنی کفالت کے قابل نہ ہوں تو اس قانون کے تحت مقدمہ درج کرا سکتے ہیں۔ آج بھی انڈین کورٹس میں مسلم مطلقہ بیوی کی جانب سے دائر کردہ نان ونفقہ کے کیس (Maintenance Case) کا فیصلہ نہ تو "مسلم پرسنل لا" کے اعتبار سے ہوتا ہے، نہ ہی پارلیامنٹ میں پاس شدہ "قانون تحفظ حقوق مسلم مطلقہ خواتین" Act 1986 Muslim Women (Protection of Rights on Divorce) کا کچھ لحاظ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اسی قانون (Criminal Procedure Code / Act 125) کے تحت فیصلے کیے جاتے ہیں۔ قانون ۱۲۵/ درج ذیل ہے۔

Chapter IX Section 125-Order for maintenance of wives, children and parents.(1) If any person leaving sufficient means neglects or refuses to maintain-(a) his wife, unable to maintain herself, o r (b) his legitimate or illegitimet minor child, whether married or not, unable to maintain itself, or (c) his legitimate or illegitimete child (not being a married daughter) who has attained majority, where such child is, by reason of any physical or mental abnormality or injury unable to maintain itself, or (d) his father or mother, unable to maintain himself or herself, a magistrate of the first class may, upon proof of such neglect or refusal, order such person to make a monthly allowance for the maintenance of his wife or such child, father or mother, at such monthly rate as such magistrate thinks fit, and to pay the same to such person as the magistrate may from time to time direct. (Code of Criminal Procedure, 1973)

سائرہ بانو کیس:

سائرہ بانو، کاشی پور (اتراکھنڈ) کی ایک پوسٹ گریجویٹ پینتیس سالہ خاتون ہے، اس کے دو بچے ہیں۔ ایک چودہ سالہ بیٹا اور ایک بارہ سالہ بیٹی ہے۔ قریباً سولہ سال قبل اس کی شادی الہ آباد کے ایک پراپرٹی ڈیلر رضوان احمد سے ہوئی تھی اور آغاز امر سے ہی میاں بیوی کے تعلقات خراب رہے۔ وہ قریباً ایک سال سے اپنے میکے میں رہ رہی تھی۔ اس کے شوہر نے ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء کو الہ آباد سے اس کے میکے میں تحریری طلاق نامہ بذریعہ ڈاک بھیجا۔ خیال رہے کہ عام طور پر اس طرح کی طلاق باہمی اختلاف کے ایک طویل ترین مرحلہ کے بعد ہی شوہر بھیجتا ہے، ورنہ کوئی مرد طلاق دینے کے لیے شادی نہیں کرتا، لیکن

عورتیں عام طور پر اپنا جرم چھپا کر مردوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اہل سماج بھی عورتوں کی یکطرفہ طرفداری کرنے لگتے ہیں۔ ہاں، کبھی مرد کی بھی غلطی ہوتی ہے۔ لیکن ہندوستانی سماج یکطرفہ عورتوں کی طرف جھک جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کورٹ یا پنچایت سے طلاق کا فیصلہ لینا مشکل ہو جاتا ہے اور مرد کو خود سے طلاق دینا پڑتا ہے۔ ہندو مرد ایسے مواقع پر بلا طلاق ہی اپنی بیوی کو چھوڑ دیتا ہے، کبھی دوسری شادی کر کے اپنی الگ زندگی گذارنے لگتا ہے۔

سائرہ بانو نے طلاق پڑنے پر سپریم کورٹ میں مذہب اسلام کے طریق طلاق یعنی زبانی وتحریری طلاق، حلالہ اور تعدد ازدواج کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا اور سپریم کورٹ سے ان امور کے بارے میں فیصلہ طلب کیا۔ پھر سپریم کورٹ نے ''لا کمیشن آف انڈیا'' سے اس بارے میں رائے طلب کی، جس کی آخری تاریخ ۱۵/ نومبر ۲۰۱۶ء ہے۔ اسی کے تناظر میں لاکمیشن نے ایک سوالنامہ جاری کیا ہے، تاکہ یکساں سول کوڈ نافذ کیا جا سکے۔ بظاہر اتنی ہی تفصیل ہے، اصل حقائق کی جانکاری کے لیے تحقیقات کی ضرورت ہے۔ ہاں، رب تعالیٰ کی رحمت سے اور تاجدار کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے یہ امید ضرور ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ مخالفین کو ناکامی وذلت ہوگی۔ ہندوستان میں سائرہ بانو ''شریعت اسلامیہ'' کے خلاف مقدمہ دائر کرنے والی پہلی خاتون ہے۔ مغربی تعلیم سے متاثر اور مغربیت زدہ ماحول میں پرورش پانے والے بہت سے مرد وخواتین بھی اسلامی شریعت پر طرح طرح کی تنقیدیں کرتے رہتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔

ہندو کوڈ بل (Hindu Code Bills 1955,56)

مذہب اسلام کے اصول وضوابط کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے اور شریعت اسلامیہ خداوندی قانون کا نام ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ہم کو دستیاب ہوئی، لیکن ہندو قوم کے اصول وقوانین کی بنیاد ان کی تہذیب وثقافت اور رسم ورواج پر ہے۔ اس لیے ''ہندو پرسنل لا'' (Hindu Personal Law) میں اصلاح کی خاطر چند قوانین سال ۱۹۵۰ء میں پاس ہوئے، پھر جواہر لعل نہرو نے سال ۱۹۵۵ء و ۱۹۵۶ء میں درج ذیل چار ایکٹ (Act) پارلیامنٹ سے پاس کرایا، تاکہ قومی اصلاح ہو سکے۔ ان چاروں ایکٹ کا مجموعہ ''ہندو کوڈ بلس'' کہلاتا ہے۔

1-Hindu Marriage Act 2-Hindu Succession Act 3-Hindu Minority and Guardianship Act 4-Hindu Adoptions and Maintenance Act

ہندو سماج میں طلاق کا کوئی تصور نہیں تھا، جس کے سبب میاں بیوی میں سے جو جدائی حاصل کرنا چاہے، وہ خودکشی پر مجبور ہوتا، کبھی شوہر دوسری شادی کر لیتا اور بیوی کو بے سہارا چھوڑ دیتا، کبھی بیوی خود الگ زندگی گذارتی، کبھی شوہر بیوی کو چھوڑ کر الگ زندگی گذارتا۔ اس لئے ہندو میریج ایکٹ میں میاں بیوی میں سے ہر ایک کو ایکٹ میں مذکورہ وجوہات کی بنا پر کورٹ کے ذریعہ طلاق حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔

ہندو کوڈ بل کی گواہی

جس طرح قوم ہنود کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت ہے، اسی طرح قوم مسلم کو بھی اپنے پرسنل لا پر عمل کی اجازت ہے۔ ہندو کوڈ بل خود ثابت کرتا ہے کہ مسلمان، عیسائی، یہودی اور مجوسی اپنے اپنے پرسنل لا پر عمل کریں۔ ہندو میریج ایکٹ میں لکھا گیا کہ یہ قانون ہندو، جینی، بدھسٹ، سکھ وغیرہ کے لیے ہے، مسلمان، عیسائی وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں، یعنی مسلمان، عیسائی، یہودی وغیرہ کو اپنے پرسنل لا پر عمل کریں۔ ہندو میریج ایکٹ کی وہ شق درج ذیل ہے۔

(1)This act applies (a) to any person who is a Hindu by religion in any of its forms or developments, including a Virashaiva, a Lingayat or a follower of the Brahmo, prarthana or Arya Samaj, (b) to any person who is a Buddist, Jaina or SIkh by religion, and (c) to any other person domiciled in the territories to which this Act extends who is not a Muslim, Christian, Parsi or Jew by religion.(Hindu Marriage Act, 1955)

☆☆

صفحہ 12 کا بقیہ: صرف اس وجہ سے کہ جب ابولہب کی باندی ثویبہ نے اس کو حضور ﷺ کے پیدائش کی بشارت دی تھی تو اس نے خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا تھا، جب ایک کافر کا یہ حال ہے تو اللہ تعالی مؤمنوں کا حضور ﷺ کی ولادت باسعادت منانے کی وجہ سے ان پر کتنا فضل و کرم فرمائے گا اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا!! نیز خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی ولادت پر بروز دوشنبہ کو روزہ رکھ کرامت مسلمہ کو اللہ جل شانہ کا شکر یہ ادا کرنے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتے تھے، اور فرماتے تھے: ((ذلک یوم ولدت فیہ)) (صحیح مسلم) ترجمہ: ((اسی دن (دوشنبہ کو) میری پیدائش ہوئی)) یہ حدیث حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور ﷺ کا روزہ رکھنا اللہ جل شانہ کا ان کی ذات پر اور تمام امت پر آپ ﷺ کو بھیج کر کے احسان کرنے کا شکر یہ ادا کرنا ہے، اس لئے امت محمد یہ کا بدرجہ اولی حق بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی اس نعمت عظمی کا تمام انواع کے ذریعہ شکر یہ ادا کرے، اور شکر کے انواع محدود نہیں بلکہ بہت ساری قسمیں ہیں، ان میں سے کھانا کھلانا، نعت پڑھنا، ثنا کرنا، ذکر کے لئے جمع ہونا، روزہ رکھنا، اور نماز پڑھنا وغیرہ بھی ہیں، گو کہ ہر ایک کا اپنا اپنا جائز طریقہ کار ہے، صالحی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'سبل الھدی والرشاد فی ھدی خیر العباد' میں اپنے زمانہ کے بعض صالحین سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: (ان کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے بطور شکایت عرض کیا: بعض لوگ جو علم والے سمجھے جاتے ہیں وہ ولادت باسعادت کی خوشی منانے اور جمع ہو کر ذکر کرنے کو بدعت کہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((من فرح بنا فرحنا بہ)) ترجمہ: ((جو ہم سے خوش ہوا، ہم اس سے خوش ہوئے)) اگر چہ خواب سے کوئی حکم شرع ثابت نہیں ہوتا، لیکن اگر ایسے خواب ہوں جو اصول شریعت کے موافق ہوں تو ان سے استشہاد کیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔ ۞

صفحہ 31 کا بقیہ: جن کی نگاہیں نبوی آثار کا خاتمہ چاہتی ہیں۔ انھیں وجوہ سے دنیا بھر کے مسلمان حرمین کے وہابی امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھتے۔ جن کا عقیدہ صحیح ہوگا انھیں کی امامت مقبول ہوگی، جو بدعقیدہ ہیں اُن کا کوئی عمل مقبول و معتبر نہیں۔ عازمین حج و زائرین طیبہ سے گزارش ہے کہ اپنی نمازوں کو وہابی امام کے پیچھے پڑھ کر ضائع نہ کریں۔ وہابی امام کی اقتدا و پیروی سے بچنے ہی میں آخرت کی کامیابی و فوز و فلاح اور خوش نودیِ مولا ہے۔ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ جذبہ صادق ہے کہ جس کے ذریعے قوم کے بے جان جسم میں زندگی کی حرارت دوڑائی جاسکتی ہے۔ ترکوں نے مسجد نبوی کی تعمیر عشق و محبت کے ساتھ کی تھی اس لیے مدتوں بعد بھی اُمتِ مسلمہ اُن کی خدمات کا اعتراف کرتی ہے۔ ترکوں نے نبوی آثار، صحابہ واہلِ بیت اطہار کے مزارات نشان زد کیے، اُن پر کتبے نصب کیے، سعودیوں نے انھیں مٹایا۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم والدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ اقدس کو شہید کر دیا۔ ولادت گاہِ نبوی کی شہادت کا منصوبہ بنایا۔ کتنے ہی آثار مٹا ڈالے اور اپنے دہشت گردانہ عزائم سے اسلامی تاریخ کو ناقابلِ تلافی نقصان سے دوچار کیا۔ ایک طرف شاہانِ سعود کا ظلم ہے، اُن کی انگریز نوازی کی داستان ہے تو دوسری طرف ترکوں کی اسلام کے تئیں خدمات اور جاں نثاری و عشق رسالت کا جذبۂ فروزاں ہے، بے شک ؎

جان ہے عشق مصطفی روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا نازِ دوا اُٹھائے کیوں

اللہ کریم! محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل حضور مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفی رضا خاں نوری علیہ الرحمہ کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نواز کر گستاخوں اور بے ادبوں کو نامُراد فرمائے اور حجازِ مقدس میں پھر سے خوش عقیدہ مسلمانوں کو خدمت کا شرف حاصل ہو ؎

ترے حبیب کا پیارا چمن کیا برباد
الٰہی! نکلے یہ نجدی بلا مدینے سے

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 02 Issue:15 DECEMBER-2016

حضرت مفتی اشرف رضا قادری ممبئ

ماہنامہ ''پیغام شریعت'' (دہلی) اہل سنت و جماعت کی ترجمانی کے لیے نو پید و نو خیز اور بڑا متحرک رسالہ ہے۔اس کے مقاصد و عزائم بلند ہیں۔اس کے اراکین و منتظمہ قابل قدر و لائق صد تحسین ہیں۔اللہ عزوجل اپنے فضل و کرم اور اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم کے صدقے اسے استحکام و دوام عطا فرمائے، اور مسلمانوں کے قلوب حمایت حق کے لیے ان کی طرف مائل ہوں، اور یہ صحیح طور پر دین اسلام و مذہب اہل سنت و جماعت کی ترجمانی و ترسیل کرتے رہیں۔ آمین

عبید المصطفیٰ اشرف رضا قادری - ادارۂ شرعیہ مہاراشٹر ممبئ ۸

حضرت مولانا توفیق احسن برکاتی ممبئ

ماہ نامہ پیغام شریعت اگست 2016ء کا اداریہ محبتوں کے اجالے میں پڑھا۔ بڑی فکر انگیز اور حقیقت افروز تحریر ہے۔ مبارک باد! متناسب جملے، شگفتہ اسلوب اور دلکش انداز بیان، بہت عمدہ۔اس جریدے کے اکثر شمارے مطالعے میں آئے۔ ماشاء اللہ انتخاب مضامین اور ترتیب سراہے جانے کے لایق ہے۔اس شمارے میں طلبہ مدارس کے ذوق تحریر و قلم کو جلا بخشنے کے لیے تاریخی تحریری مسابقے کا اعلان خاصا اہم ہے۔جس کے لیے پھر ایک بار کلمہ آفریں۔اللہ عزوجل اس رسالے کی بنیادوں کو استحکام اور اس کے مدیران و مقالہ نگاران کی کاوشوں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین

توفیق احسن برکاتی۔ممبئ (9 اگست 2016)

مولانا قمر احمد اخلاقی جامعہ سعدیہ کرالا

الحمد للہ استاد مشفق اور جہاں دیدہ فکر کے متحمل ادیب شہیر حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ قادری نے اپنا قدیم اور پسندیدہ خواب شرمندہ تعبیر فرما ہی دیا اور دہلی کی سرزمین سے ایک ایسے جریدہ کی اشاعت فرمایا جو بیک وقت شرعی معلومات کا خزانہ فکری عروج و ارتقا کا نقیب، اور جماعت کے اندر عملی سکوت و انجماد کے لیے ایک مہمیز ہے۔ ''پیغام شریعت'' کی ادارت اور مشاورت کی ٹیم ایسی مستحکم ہے جن کی تحریر و قلم، تحقیق و افتا اور جہاں دیدگی کا دور حاضر میں طوطی بول رہا ہے۔اسی لیے امید واثق ہے کہ ذمہ دارانِ رسالہ اپنے مشن کو بحسن و خوبی عملی جامہ پہنا سکیں گے۔

قمر احمد اخلاقی امجدی جامعہ سعدیہ عربیہ کرالا

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim

Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali,
Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006